رجسٹرڈ نمبر اے ۴۶۶
Urdu
218

نگار

قیمت فی کاپی ۸؍

UNIVERSITY LIBRARY
1 JUL 1943

چندہ سالانہ ۵؍
ششماہی ۳؍

نگراں :- نیاز فتحپوری

ادارہ : مجدد نیازی
شوکت جہاں

جلد ۴۳	فہرست مضامین مئی سنہ ۴۲ء	شمار ۵

ملاحظات ---------- ۲
فتح اُندلس (ڈرامہ) ---- سید سجاد حیدر یلدرم ---- ۳
غزل اور اس کا مفہوم --- سید محمد باقر شمس لکھنوی --- ۹
تاریخ کے بھولے ہوئے اوراق ---------- ۱۸
اُردو ناول پر مارکسزم کا اثر -- پروفیسر احتشام حسین رضوی --- ۲۱
مکتوبات نیاز ---------- ۲۵
ریڈیائی پروپاگنڈا کی دشواریاں --- مجدد نیازی ---- ۲۸
باب الاستفسار ---------- ۳۰
انتخاب کلام - حسرت ترمذی و اے۔ بی فلپس صابر --- ۳۳
بقیہ ملاحظات ---------- ۳۵

ملاحظات

ایک ادبی سانحہ

سید سجاد حیدر یلدرم، ہندوستان کے وسطی ادبی دور کے مشہور انشا پرداز نے پہیں لکھنؤ میں انتقال کیا اور اس طرح کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ مرحوم یونتوعرصہ سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھے، لیکن انکی مرنجاں مرنج فطرت نے انھیں عمر طبیعی سے پہلے جانے نہ دیا اور وہ گئے بھی تو قلب کی حرکت بند ہوجانے سے، جو موت کا غالباً واحد ادبی پہلو ہے

ان کا جو ڈرامہ نگار میں شایع ہو رہا تھا، اس کے کچھ اجزاء انھیں کے پاس تھے اور وہ ایک بار انھیں لائے بھی، لیکن میں گھر پر موجود نہ تھا۔ بعد کو جب میں نے خط لکھا تو کوئی جواب نہ ملا (اور جواب کیا ملتا جبکہ جواب دینے والا ختم ہوچکا تھا) ۔ میں نے محترمہ نذر سجاد حیدر کو لکھا ہے، اگر انھوں نے اس ڈرامہ کا باقی مسودہ بھیجنا پسند نہ کیا تو ہمیں مجبوراً آیندہ یہ سلسلہ بند کر دینا پڑے گا

کچھ "نگار" کے متعلق

کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے ہم کو نگار کا حجم کم اور سطر باریک کرنا پڑا تھا، لیکن اس مہینے سے حکومت نے کاغذ کی فراہمی میں کچھ آسانیاں پیدا کردی ہیں، اس لئے آیندہ سے ضخامت اور سطر دونوں میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں گی، لیکن نہ اتنی کہ نمایاں طور پر آپ انھیں محسوس کرسکیں۔ اگر مستقبل میں بھی یہ آسانیاں اسی طرح قایم رہیں تو ہوسکتا ہے کہ جولائی کا نگار اپنی اصلی حالت سے قریب تر نظر آئے

حالات جنگ

افریقہ میں، محوری و اتحادی کشاکش غالباً بہت جلد کوئی فیصلہ کن صورت اختیار کرنے والی ہے، اور یہ بات زیادہ واضح ہوتی جارہی ہے کہ افریقہ میں جرمن و اطالوی افواج کے لئے اتحادی دباؤ کو زیادہ عرصہ تک برداشت کرنا ممکن نہیں۔ ٹیونسیا، جہاں اسوقت یہ جنگ ہو رہی ہے، افریقہ کے شمال میں ایک لمبوترا سا ٹکڑا ہے جو فرانسیسی محفوظ تھا، لیکن جب روملؔ پر لیبیا کی طرف سے انگریزی فوج نے اور الجزائر کی طرف سے امریکن سپاہ نے دباؤ ڈالا تو اس کے لئے پناہ کی صورت صرف یہی تھی کہ وہ ٹیونسیا پر قبضہ کرلے، جہاں اٹلی و سسلی کی جانب سے بہ آسانی کمک حاصل ہوسکتی تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس زبردست یلغار کے مقابلہ میں جو برطانوی، امریکی اور آزاد فرانسیسی افواج کی طرف سے ہو رہی ہے، کب تک ٹھہر سکتا تھا، چنانچہ تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھندا روز بروز تنگ ہوتا جارہا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب افریقہ اور اس کے تمام ساحلی مقامات پر اتحادی ہی اتحادی نظر آئیں

ظاہر ہے کہ تیونسیا کی جنگ کوئی ایسی جنگ نہیں جس کے بعد ہم فوراً ہی کسی فیصلہ کا انتظار کرنے لگیں، لیکن اس کے بعد یوروپ میں جرمنی کے خلاف دوسرا محاذ قایم کرنا یقیناً آسان ہوجائے گا اور اگر یہ محاذ قایم ہوگیا تو اس میں شک نہیں کہ روس کی طرف سے محوری دباؤ بھی تقریباً ختم ہوجائیگا۔ بہرحال تیونسیا میں اتحادی کمیابی جنگ کے متعلق ایک خوشگوار نتیجہ کا امکان ضرور ہے گو اس نتیجہ تک پہونچنے کے لئے کسی کی عمر وفا کرے یا نہ کرے

اس وقت ہر شخص یہ غور کر رہا ہے کہ تیونسیا کے بعد اتحادیوں کا اقدام کیا اور کیونکر ہوگا؟ ۔ تیونسیا کے فیصلہ ہونے کے بعد، اتحادیوں کو لازماً اطالیہ کے جزیرہ سسلی کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا، جو سواحل اٹلی اور سواحل تیونسیا کے درمیان ایک سنگ گراں ہے اگر دشمن کے پاس رہے اور بہترین زینہ ہے اگر اتحادیوں کے ہاتھ آجائے۔ چونکہ سواحل تیونسیا سے سسلی پر گولہ باری اور فضائی حملہ دونوں بہ آسانی ممکن ہیں اس لئے ہمیں امید نہیں کہ محوری طاقت زیادہ دن تک اس جزیرہ پر قابض رہ سکے اور سسلی پر قابض ہوجانے کے بعد اٹلی کے سواحل پر حملہ کرنا کھلا ہوا منطقی نتیجہ ہے۔ اس لئے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یوروپ کا دوسرا محاذ سب سے پہلے اطالوی سرزمین پر قایم ہوگا اور چونکہ اطالوی قوم اپنی سیرت کے لحاظ سے ایک بزدل قوم ہے، اس لئے اتحادیوں کے لئے یہاں کامیابی حاصل کرنے کے امکانات زیادہ ہیں ۔ (سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۳۵)

فتح اُندلس

(بہ سلسلۂ ماسبق)

مجلس سوم ——— اشخاص سابق ۔ طریف ۔ صلحا بنت ایوب ۔ چند نوکر

موسیٰ : پہلے یہ تو بتاؤ، کاونٹ نے اُندلس کے بارے میں جو اطلاعات دی تھیں وہ صحیح تھیں ؟

طریف : یا امیر، بالکل صحیح ۔ گوٹ کی حکومت کا حال ایسا نہیں کہ ہمارا مقابلہ کر سکے ۔

جولیانوس : اس کی تو اب آپ تصدیق کریں گے کہ میں جھوٹا نہیں، یا امیر

موسیٰ : جناب کاونٹ، انشاء اللہ دو گھنٹہ بعد، شہر کے اندر ملاقات ہوگی (جولیانوس شکریہ کا اشارہ کرکے جاتا ہے) لڑکو دیکھو تم میں سے ہر ایک ایک سپہ، ایک آمر ہے، جو تمھارے زیر حکم ہوں، ان کے ساتھ انصاف و عدل کا برتاؤ کرنا۔ وہ سردار جو اپنے ساتھیوں کو دلگیر و رنجیدہ کرے، اس سے زیادہ خطرے میں ہوتا ہے جسے دشمن گھیرے ہوئے ہوں۔ اس کے ساتھی، اس کے ندیم، اس کے مصاحب، اس کے مختار و وکیل سب اس کے خلاف، مگر دشمن کے طرفدار ہوتے ہیں، اسکا ثبوت اگر چاہتے ہو، تو جولیانوس کے طرز عمل میں دیکھو جو اپنے آقا سے غداری اور ہم سے وفاداری ظاہر کر رہا ہے۔ ہاں طریف، بتاؤ ساحل کے اُس جانب تم نے کیا دیکھا، کیا کیا ؟

طریف : میں یہاں سے روانہ ہوکر، مقابل کے ساحل پر ایک جگہ اُترا دشمن سے دو ایک جگہ جھڑپ بھی ہوئی، سات آٹھ سو کی تعداد میں ہونگے انھوں نے ہمارا مقابلہ کیا، مگر بے فایدہ، ہم نے سب کو قید کر لیا، بہت سے گھوڑے بھی ہمارے ہاتھ آئے، پادشاہ پریشان و ضعیف ہے، اس میں ہم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، اگرچہ اس کی فوج ہم سے دوگنی تگنی ہے، لاکھ سوا لاکھ کے قریب ہوگی ۔

صلحا : یہ تم نے کیسے کہا کہ ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتے، تین آدمیوں کا ایک آدمی مقابلہ کر سکتا ہے، لیکن ایک آدمی تین پر کسی وقت حملہ نہیں کر سکتا ۔

موسیٰ : صلحا، دشمن ہم سے تین سو گنا بھی زیادہ ہو، ہم پھر بھی اس پر حملہ کریں گے، وہ تعداد میں بہت ہیں، مگر اُن میں اختلاف ہے، ہم تعداد میں اُس سے کم ہیں، مگر ہم متحد ہیں، اُن کے کئی خدا ہیں، ہمارا ایک خدا ہے ہم متحد ہیں، ہم موحد ہیں، ان تین آدمیوں پر جو آپس میں لڑ رہے ہیں ایک آدمی کیوں حملہ نہیں کر سکتا ۔

صلحا : اُن میں آپس میں اختلاف ہو، لیکن جب اُن کے معبود، اُن کے معبد، اور اُن کے مقصد ایک ہیں، تو ان کے دشمن بھی ایک ہی ہو سکتے ہیں دو بھائی آپس میں لڑ رہے ہوں، لیکن اگر باہر سے کوئی اُنھیں ہلاک کرنے کے ارادہ سے ان پر حملہ آور ہو، میں تو یہ کہوں گی کہ انھیں چھوڑ دے کی غرض سے بھی آئے، تو وہ اپنا لڑائی جھگڑا چھوڑ کر اس سے مقابلہ کریں گے

موسیٰ : اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ وہ مقابلہ کریں گے، تب بھی شبہ ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے ۔

طریف : ان کی فوج زرہ پوش، آہن پوش ہے ۔

موسیٰ : (بات کاٹ کر) ہمارے دل آہن پوش ہیں

طریف : ان کا ہر ایک سپاہی ایک خوفناک دیو ہیکل، ان کا ہر گھر ایک قلعہ کی طرح مضبوط، ہر برج گویا آسمانی بُرج کی طرح روشن و شاندار، ان کے شہر لوہے پتھر، پانی خندق اور اشیاؤں کے بدن اور جان کے ذریعہ سے محفوظ اور مستحکم ہیں، مگر اس میں شبہ نہیں کہ ان میں تفرقہ اور اختلاف ہے، ان کا بادشاہ پریشان و غیر مسلمہ ہے ۔

صلحا : کیا اس لئے وہ ہمارا مقابلہ نہ کریں گے ۔ تو کیا اسی لئے ہم انکے شہروں پر اس طرح گریں گے جیسے آسمان سے بجلی گرتی ہے ۔

موسیٰ : یہ بات نہیں صلحا، تم یہی اسلام کی مجاہدہ خواتین ان پر ایک فرشتوں کی فوج کی طرح نازل ہوگی، بجلی کی طرح آسمانی آفات کی طرح نازل ہوں گے، فتح و فلاح کی راہ دکھانے کے لیے

صلاح قایم کرنے کے لئے۔

صلحا: (زہرا سے) تم کس قدر خاموش ہو۔

زہرا: (صلحا سے) تم کتنی باتیں کر رہی ہو

صلحا: (اپنے دل میں) طارق جا رہا ہے، زہرا کو اسکی خبر نہیں، مگر یہ خاموشی اسی وجہ سے ہے۔

زہرا: (دل میں) طارق جا رہا ہے۔ صلحا کو اس کی خبر نہیں۔

(طارق فاصلہ پر نظر آتا ہے)

صلحا: (دل میں) آہ! آ رہا ہے۔

زہرا: (دل میں) آ رہا ہے، آہ

مجلس چہارم ——— اشخاص سابق ——— طارق

طارق: حضرت امیر کیا آپ نے مجھے طلب فرمایا تھا؟ (دل میں) زہرا بھی یہاں ہے۔

موسیٰ: ہاں جیسا ہمیشہ تم کو طلب کرتا ہوں، اب بھی میں نے تمھیں طلب کیا، اُندلس پر چڑھائی کرنے کے لئے، میں خلیفہ کے حکم کا منتظر نہ ہوں گا اس مرتبہ اس فرض کی تعمیل سے قاصر رہوں گا، اگر کوئی موقع خدمت کا ملے، اس سے فایدہ نہ اُٹھانا، وہ حکم حاکم کا انتظار نہ کرنے کی قباحت سے زیادہ بُرا ہے، کشتیاں حاضر ہیں، اسپ و شتر حاضر ہیں سامان جنگ حاضر ہے۔ فوج طیار ہے، سوار و پیادہ دونوں طیار ہیں سنہ ۹۲ھ کا موسم بہار فتوحات سے نامدار و باوقار ہے، کل اُندلس کے لئے فوج حرکت کرے گی، میں نے تمھیں سردار فوج مقرر کیا۔

زہرا: (دل میں) ہوا وہ انقلاب جس کو میں پہلے سے سمجھ رہی تھی۔

صلحا: (دل میں) آئی وہ قیامت جس کا میں کچھ عرصہ سے خوف کھا رہی تھی

طارق: میں فوج کا سردار ہوں گا، تو فوج میرے زیر ہدایت ہوگی۔ لیکن اگر فوج نے شکست کھائی تو میری کون اصلاح کرے گا، مجھے کون ہدایت کرے گا۔ میں بھی ایک آمر، ایک حکم دینے والے کا محتاج ہوں وہ آمر آپ ہیں، خلیفہ نے فوج کا سردار اول آپ کو مقرر کیا ہے میں صرف آپ کے زیر ہدایت کام کر سکتا ہوں۔ آپ کی معیت سے علیحدہ ہو کر، ان خواہشات کی طرح جو عقل سے دور ہوں، خیالات کا تابع ہو جاؤں گا۔ میرے آرزو ہے کہ بڑے بڑے کارنمایاں کروں شاندار فتوحات کروں۔ ایک بے لگام عرب گھوڑا، جہاں ٹھہرنا چاہئے وہاں بھی نہیں رکتا، برابر دوڑتا پھرتا ہے۔

موسیٰ: اول یہ کہ کسی کے سردار ہونے کی قابلیت، اسکے محض سردار کا عنوان دیدینے سے ثابت نہیں ہوتی، سرداری کی حیثیت ایسے بہت سوں کو حاصل ہے، جو محض نا قابل و عاجز ہیں اور اُنکی معیت میں بہت سے عقلمند و صاحب دانائت لوگ ہیں۔ دوم یہ کہ ارباب فہم کو کسی حاکم: آمر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک بہادر شہسوار، اُس بے لگام عرب گھوڑے کو بھی اچھی طرح استعمال کر سکتا ہے جس کا تم نے ابھی ذکر کیا تھا، تم نے خواہشات کا ذکر کیا، میں سمجھا، تم جتنا آگے بڑھنا چاہو، جا سکتے ہو۔ میں تمھیں ایک خود مختار بادشاہ کی طرح، یا خلیفہ وقت کی طرح، عالم غیب سے حکم اجازت دیتا ہوں۔ اگر کہیں تم مصیبت میں پھنسے، تو انشاء اللہ خضر کی مانند تمھارے پاس پہونچوں گا اگر تم مغلوب ہوا و ہوس ہو گئے، تو عزرائیل کی طرح تمھارے سامنے آموجود ہوں گا۔ اگر خدائے بزرگ کے نام جلیل پر تکیہ کر کے بڑھو گے یا واپس ہو گے، توفیق ربانی تمھاری معین و مددگار رہیگی۔ وہ خفت و خواری جو نفسانیت کے مقاصد رذیلہ سے تمھیں حاصل ہوگی، قہر آسمانی تمھارے نزدیک ہوگا، بس تم کل، سبتہ کے بندرگاہ سے روانہ ہو جاؤ

صلحا: (دل میں) ایک مرتبہ حکم دیدیا، اس کا حکم منسوخ نہیں ہوتا

زہرا: (دل میں) ایک مرتبہ ارادہ کر لیا۔ اسے پورا کر کے رہیگا

طارق: میری عقل، ارادہ، شجاعت و عزم سب یہیں رہ جائیں گے کیا آپ مجھے ایک قیدی کی طرح جس ہتھیار چھین لئے گئے ہوں، روانہ کر دیں گے؟ ایک قیدی، ایک فوج کی کمان کس طرح کر سکتا ہے، ایک مریض، طبیبوں کا علاج کس طرح کر سکتا ہے۔

موسیٰ: اگر تمھارے پاس ہتھیار نہیں، تمھارا جسم تو ہے، تمھارا جسم فوج کے لئے سپر کا کام دیگا۔ ڈھال بھی ایک ہتھیار ہے، مجھ سے دوبارہ مت کہلواؤ کل تم اُندلس کے بندرگاہ میں داخل ہوگے۔

طارق: (دل میں) جانے میں فتح ہے، شان ہے، ثواب ہے، کیا میں یہ نہیں چاہتا؟ جان و دل سے، جنگ میں داخل ہوں گا، مگر موسیٰ

بن نصیر بہت بڑھا ہوگیا ہے اس کا خوف ہے، میں بھی عجیب آدمی ہوں موسیٰ کے مرنے کا خوف ہے؟ وہ مرے نہ مرے، میں قربان ہوں گا جو خدمت مرے سپرد کی گئی ہے وہ پوری ہوجائے، مجھے صلہ مل گیا جمیت جو مجھ سے طلب کر رہی ہے وہ کروں گا اور اپنی ہر امید اس پر قربان کردوں گا۔ اور زہرا، یہ جان سے زیادہ عزیز، شباب سے زیادہ لطیف لڑکی۔ کیا اس کی محبت، شباب کی طرح ناپائدار، اس کا وصال، زندگی کی طرح موہوم و ناقابل اعتبار ہے یہ زہرا، حوروں سے زیادہ دلکش، فرشتوں سے زیادہ معصوم، اصنام سے زیادہ حسین ہے۔ یہ زہرا صرف چاہے جانے کے لئے، ہاتھ میں آنے کے لئے نہیں۔ تصور میں رہنے کے لئے، جلوہ افروز ہونے کے لئے نہیں۔ میری تمام حسرتیں اور آرزوئیں، اس سے وابستہ ہیں، کیونکہ اس کے حضور میں، اس کے سوا میری کوئی اور آرزو رہتی ہی نہیں، تو کیا میں اُسے بھی قربان کردوں؟ وہ جنت اس دنیا کی طرح فانی، اور وہ دُنیا ایک خواب کی طرح خیال ہوکے رہ جائے۔ میری تمام تمناؤں کا مرکز، یعنی خوابگاہ زفاف، وہ تخت روان سعادی، وہ سریر محبت وہ کعبۂ انوار، ایک تاریک خاکدانی، ایک زندان خاک اندر خاک، ایک سنگزار یخ، ایک مزار عدم ہوکے رہ جائے گا، کیا مستقبل کی وہ امیدیں، ایک یاد ماضی میں منتقل ہوکے رہ جائیں گی؟ (بے حال و بے قابو ہوکر، یکایک) زہرا! زہرا! (یہ دیکھ کر کہ حاضرین اس کی حالت دیکھ رہے ہیں) میں کل جاؤں گا، چاہے کل، قیامت ہی ہوجائے کل ضرور جاؤں گا۔

موسیٰ: تم پہلے جزیرۃ الخضرا میں اُتروگے، اور وہاں کا حاکم (تدمیر) ممکن ہے تمہارا مقابلہ کرے۔ تمہاری پہلی لڑائی وہیں ہوگی، اگر اُسے تم نے جیت لیا تو میں اس کا انعام تمہیں دوں گا، اپنی لڑکی زہرا تمہیں دوں گا۔

طارق اور زہرا دونوں چونک اُٹھتے ہیں، دونوں اپنی نظریں زمین پر گاڑ دیتے ہیں بلا اختیار، صلحا کے منہ سے ایک آواز نکلتی ہے لیکن وہ اپنے تئیں بعد میں سنبھالتی ہے۔

مروان - عزیز: (زہرا سے) دیکھی ہمارے اعلان کی تاثیر، اس کا نتیجہ بھی بعد میں دیکھو گی۔

موسیٰ: (دل میں) عشق انسان کی معنوی قوت پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے۔ دلیر ابن زیاد، ایک بیچارہ و مسکین طارق بنجاتا ہے (آواز سے) مگر میری لڑکی کے لئے، اندلس نے تمہیں ایک تحفہ لانا ہوگا۔

طارق: طلیطلہ کے محل شاہی میں، قوط کے بادشاہوں کے جو نگیں تاج کہے جاتے ہیں کہ ہیں، بس اُنھیں لاکر پیش کردوں گا۔

موسیٰ: وہ ہمارے تمہارے لئے نہیں۔ وہ لڑکی کو بھی نہیں دئے جاسکتے۔ اگر وہ تمہارے ہاتھ آئے تو وہ خلیفہ کی خدمت میں بھیجے جائیں گے۔ خلیفہ اُن کی قیمت ادا کرے گا اس قیمت کا پانچواں حصہ خزانۂ شاہی میں رہے گا۔ باقی فوج میں تقسیم کردیا جائے گا، تم ہمیں ایک ایسا تحفہ بھیجو کہ بچیں تو کوڑی کو نہ بکے، اور خریدنا چاہیں تو خزانوں کے طلا و جواہرات بھی اس کے لئے کافی نہ ہو۔ آؤ، میرے پاس وہ گوہر تحفہ کے طور پر بھیجنا چاہتے ہو تو (کان میں ایک لفظ کہکر) بھیجو اور دیکھو میری لڑکی تمہاری ہوجائے گی۔

طارق: آپ اطمینان رکھئے ایسا ہی گا۔

موسیٰ: طریف، آؤ اب تم جو قیدی اور گھوڑے وغیرہ لائے ہو، انھیں دیکھیں۔

طارق: (مسکرا کر) طریف، اُندلس پہونچنے میں ہم سب سے آگے رہا۔

طریف: (اسی طرح مسکرا کر) سیر و سیاحت کے بہانے بہت سے بربری جاچکے ہیں موسیٰ! پھر بھی، جس ساحل پر تم اُترے، وہاں طریف کے نام سے ہمیں ایک قصبہ آباد کرنا چاہئے تاکہ جو دیکھے وہ سمجھ لے کہ ہمارا مقصد اُندلس کو برباد کرنا نہیں، آباد کرنا ہے (صلحا کے چہرے پر کچھ دیر نظر ڈال کر حاضرین مجلس سے) آپ لوگوں سے اک بات اور کہنا ہے، حاضرین میں سے جو چاہے اُسے اپنے اوپر لے لے۔ میں بڑھا ہوں۔ محبت کے تین درجے ہوتے ہیں۔ پہلے، تیسرے درجے سے شروع ہوتی ہے، دوسرے درجے پر آتی ہے، پھر پہلے درجے پر پہونچتی ہے یعنی اوپر سے نیچے آتی ہے۔ تیسرے درجے میں جسوقت محبت ہوتی ہے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور اُسے روکا جاسکتا ہے۔ دوسرے درجے کی محبت کو بدلا جاسکتا ہے محبت جب پہلے درجے میں پہونچ جائے تو نہ ہٹایا جاسکتا ہے نہ تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد آیئے، اسیروں کی اور جانوروں کی سیر کریں۔

مجلس پنجم ——— (زہرا شروع میں تنہا ہے۔ اس کے بعد طارق و موسیٰ داخل ہوتے ہیں)

زہرا: وہ نکل جا رہا ہے۔ لیکن ابا جان بھی یہاں کب رہیں گے چونکہ ابھی وہ افریقہ میں انتظام و آسودگی پوری طرح نہیں دیکھ رہے۔ جس دن انھوں نے یہ فرمایا تھا عزیز و مردان میرے ساتھ یہاں رہیں گے، میں کسی اور کو اُندلس بھیجوں گا، اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ طارق بھیجا جائیگا۔ چنانچہ وہ بھیجا جا رہا ہے، میں کس لئے، جنیوں کی طرح، ملزموں کی طرح، اسیروں کی طرح، یتیموں کی طرح یہاں رہوں لڑائی میں مرد زہرا، محبت میں عورت، غیرت و شجاعت میں بہادر بنت مومل، فرقت میں ضعیف! وہ زہرا بنت موسیٰ جو حسن کی ملکہ مانی جاتی ہے، عشق میں مغلوب کنیز کی طرح مطیع ہے۔ مجاہدین کی بیویاں لڑائی میں جا رہی ہیں، اپنے شوہروں کے ساتھ یا شہید یا غازی ہو رہی ہیں، میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ طارق کو خطرے میں تصور کروں اور اُس کے پاس نہ ہوں، ابن زیاد کا کیا قصور ہے، کہ میرے پاس رہنا چاہتا ہے، اس پر مجھ سے دور رہے، ابا جان کیوں، میرے بغیر طارق کو بھیج رہے ہیں

طارق: (یکایک داخل ہوتا ہے) اس لئے کہ تمھیں حاصل کرنے کی ہوس، مجھے اُندلس کو فتح کرنے پر مجبور کرے۔

زہرا: آہ کیا پھر یہ کہنے آئے کہ کل جاؤں گا۔

طارق: میرے خیال میں، تم سے یہ دوری، ایسی ہی ہے کہ جیسے کسی بگ دوڑ کے بار ہو پہنچنے کے لئے، پیچھے ہٹ کے پھر تیزی سے آگے دوڑا جاتا ہے، اسی طرح تم تک زیادہ جلد پہونچنے کے لئے یہ جدائی ہے خوش ہو کہ تمھارے والد نے تمھیں اُندلس کی عظیم الشان اور وسیع مملکت کے برابر تصور کیا ہے، اگر میں اُندلس کو تسخیر کروں گا۔ تو وہ تم کو بھی دیں گے میں اسلام کو ایک ملک دونگا، اللہ اس کے عوض میں تم جیسی ایک ملکہ مجھے احسان و عطا کرے۔

زہرا: مجھے یقین ہے کہ میرے والد نے مجھ سے پہلے یہ پہچان لیا کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔

طارق: ان عرب، زبان حال کو پہچانتے ہیں اور سمجھتے ہیں بایں کہ ان کے سامنے ناز اور عتاب بیان کرتے ہیں۔

زہرا: اگر یہ بات ہے تو تم کیوں نہیں سمجھتے کہ تمھاری فرقت میرے لئے برداشت سے باہر ہے۔ آہ! ابن زیاد، اُندلس سے تم مجھے تحفہ نہیں، فاتحہ بھیجو گے۔

طارق: بچی ہو۔ تمھیں معلوم نہیں کہ فرائض سرداری، جذبات محبت پر غلبہ حاصل کر رہے ہیں۔

زہرا: شان و شوکت فتح و ظفر کے لئے، مجھے قربان کر رہے ہو بے وفا؟

طارق: اگر تمھیں قربان کرنا سہل ہے، تو یقین مانو وہ سہل ممتنع ہے زہرا میں عرب ہوں، جھوٹ نہ بولوں گا۔ میں بہت باتیں جانتا ہوں مگر ریاکاری نہیں جانتا۔ اسلام کی شان اونچا کرنے کے لئے میں تمھیں قربان کر سکتا ہوں، اگرچہ یہ قربانی فتح اُندلس سے بھی مرے لئے زیادہ مشکل ہوگی۔

زہرا: مشکل ہوگی، لیکن پھر بھی یہ قربانی آپ کر ہی دیں گے، کیوں ہے نا؟

طارق: ہاں۔ ایسا ہی ہے، مجبوری کے ساتھ ایسا ہی ہے، فخر و افتخار کے ساتھ ایسا ہی ہے۔

موسیٰ: (ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے) طارق ابن زیاد، اس قابل ابن زیاد کہ اس کے شہرے کا ڈنکا دنیا میں بجے۔

دنیا، حیات انسانی کے فانی ہے، مگر جو نام نیک و کارہائے نیک دُنیا میں چھوڑ جائیں، اُن کے لئے فانی نہیں۔ جولیانوس شرف بہ اسلام ہوا۔ کل تمھارے ساتھ جائے گا۔ خلیفہ کے پاس سے ایک امر نامہ ابھی آیا ہے (دکھاکر) دیکھو، انصاف و عدالت کا حکم دے رہے ہیں۔

زہرا: (بے اختیار) تو کل جاؤ گے۔

طارق: کل، پرسوں، ہر دن، ہر لمحہ جاؤں گا۔

موسیٰ: خدا تمھیں مظفر و منصور، اور تمھارے دشمنوں کو مغلوب کرے۔

(طارق و ابن موسیٰ جاتے ہیں)

زہرا: (اپنے دل میں) اگر وہ کل نہ جائے گا تو میں اُسے بھیجوں گی۔

فصل دوم

مجلس اول

(وادی لطہ کے میدان کے ایک کونے میں، دریائے شریش کے قریب اسپانیا کا فوجی ہیڈ کوارٹر)

مجلس اول — دون لوئی مرقادو — جنرل دون صوول — زرہ پوش فوجی سردار — کونٹ ڈوفریا — کپتان دومینو۔ تیر و کمان، گرز و تبر، شمشیر و خنجر، فلاخن و گوپھا، نیزہ و سپر سے مسلح سپاہی، فوج کو شراب پلانے والی عورتیں، ایڈی کانگ، ہرکارے، شتر سوار، بعد میں دون آلفونسو۔

کونٹ ڈوفریا: خبریں بہت اہم ہیں، بہادر تدمیر نے شکست کھائی، فتح و ظفر ساری عربوں کے حصے میں آئی، ہر شخص کی زبان پر طارق کی شجاعت اور مہارت کا ذکر ہے، اس کے ہمراہ جو بدوی فوج ہے اسی طرح بڑھتی آرہی ہے جس طرح صحرا میں گرد باد، اور جس طرح ریگستان کی آندھی اپنے ساتھ ہر چیز کو لئے چلی جاتی ہے اس فوج کے سامنے بھی کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کہا جاتا ہے ہم ان کا مقابلہ کریں۔ دبا کا کہیں مقابلہ کیا جاتا ہے۔ بھاگو، سیلاب و طوفان سے بھاگ کر ہی جان بچائی جاسکتی ہے۔

دون لوئی مرقادو: آندھی اور طوفان، آدمی اور پتھروں سے ٹکراتی ہے، مگر ناموس و عزت کو ٹھیس نہیں لگاتی۔ ہمیں مدافعہ و مقابلہ کیلئے اُٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر ہم اس میں فنا بھی ہوگئے، تو ہمارا نام و ہماری عزت تو فنا نہیں ہوگی۔ ہم عربوں کو، طارقوں کو، وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس بھیجدیں گے یا جہنم میں ڈھکیل دیں گے۔

دون صوول: یہ آسانی سے ہوسکتا ہے۔ ہماری فوج نوّے ہزار سے زیادہ ہے، طارق کے ہمراہ چالیس ہزار سے زیادہ مجاہد نہیں۔ اور ان میں بھی ایک چوتھائی عورتیں ہیں۔

دومینو: ہم اس قوم کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں جسکی عورتیں تک ہتھیار بند ہیں۔

دوفریا: مقابلہ بھی کیا، تو کیا کامیابی کی امید ہے؟

دون لوئی مرقادو: اگر پہلے ہی سے شکست کھانے کا ارادہ ہے، تو ظاہر ہے کہ ہمیں کامیابی نہیں ہوسکتی، فوج کی ہمت امید سے بڑھتی ہے۔ سردار فوج، سپاہیوں کے سامنے فتح و ظفر، اور فتح و ظفر کی شان و شوکت مال غنیمت، اور مال غنیمت کی کشش کا ہی ذکر کرتے ہیں، اگر تم جیسے لوگ جن کے دل میں نا امیدی اور جسم میں ضعف ہے ہمیشہ یاس انگیز باتیں ہی کرتے رہیں تو وہ بھی جن کے تھوڑے بہت ہوش و حواس قایم ہیں، پاگل ہو جائیں گے نوے ہزار کیا، نوے لاکھ آدمی ہوں تو ہم ان کا بیڑا غرق کردینگے۔

دون صوول: عربوں میں مجاہد عورتیں ہیں تو کیا ہم میں نہیں۔ یہ ساقیہ لڑکیاں، کیا محض براتیوں کو شربت پلانے کے لئے ہیں۔ یہ خود بہادر نہ سہی، اوروں کی تو ہمت بڑھاتی ہیں۔ آؤ لڑکیو! بھر تو دو پیالے، یہ کیا، تم بھی کیا اُن عورتوں کی طرح ساکت و صامت ہو جو خواب میں نظر آتی ہیں، نہ بات کرتی ہیں، نہ بات کا جواب دیتی ہیں۔ یہاں جو آدمی ہیں ان کے دل برف کی طرح سرد ہیں ذرا ان کے دلوں کو گرمی تو پہونچاؤ۔

(ساقیہ لڑکیاں، شراب کے پیالے بھر بھر کے دیتی ہیں)

دون لوئی مرقادو: (دون صوول سے) تم ہماری لشکر گاہ کو میخانے میں تبدیل کئے دیتے ہو۔

دون صوول: چونکہ ہمارے فوجی سردار، شراب خانوں ہی میں اپنی بہادری دکھلاتے ہیں۔

دومینو: ہاں ہماری بھی مجاہد عورتیں ہیں۔ مگر ان کی صورتیں خونریزی کرتی ہیں، ہماری، مے گساری، بادہ ریزی۔ وہ شربت شہادت پیتے ہیں، ہم ملاکا کی شراب۔

دون صوول: شراب؟ اہا! روح! روح!

ایک ایڈی کانگ: تدمیر جزیرہ کو چھوڑ کے بھاگ گیا

(آپس میں گھبراہٹ کی گفتگو۔ ایڈی کانگ کی لائی جاتی ہے)

لوگ ایک دوسرے کو سناتے ہیں)

دوسرا ایڈیکانگ : طارق پہونچگیا، ایک گھنٹے کی راہ کے فاصلے پر ہوگا۔ دمدار ستارہ کی طرح اپنی فوج کے آگے آگے آرہا ہے۔ اور دمدار ستارے کی طرح یکایک ظاہر ہوگیا ہے۔

دون لوئی مرقادو : افوہ کس تیزی سے آیا ہے۔ ہمارے ہراول دشمن کے آنے کی خبر دشمن کے آنے کے بعد دیتے ہیں۔ (دون الفونس سے جو اسوقت داخل ہوتا ہے) تدمیر نے راہ فرار اختیار کی۔ اور طارق آرہا ہے

دون اصول : ہم بھی طارق کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کریں گے ہمیں آگے بڑھ کے جنگ کرنی چاہیئے۔

دون الفونس : اگر مجھ سے پوچھتے ہو، تو ہمیں مقابلہ کے لئے پیچھے ہٹنا چاہیئے۔

دوسینو : میں تو یہاں سے ٹلتا نہیں۔

دوفریا : ہے یوں کہ بیارہ غیر اطاعت نہیں کوئی۔

چند فوجی افسر : ہمیں بڑھ کے حملہ کرنا چاہیئے ..... نہیں ہمیں بھاگ جانا ہے۔ ہتھیار ڈال دینے چاہئیں ... نہیں تسلیم اسلحہ کرنی چاہیئے۔

مرقادو : میں جان گیا کہ اس تفرقہ و اختلاف کا کیا نتیجہ ہوگا۔ لو ایک قاصد اور آیا۔ کیوں، کیا خبر ہے ؟ تم نے چالیس ہزار عربوں کو اس طرف آتے دیکھا۔

قاصد : مجھے جہاں تک علم ہے، طارق نے جزیرہ کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام جبل طارق رکھا ہے۔

مرقادو : (حقارت آمیز طریقے سے) ہاں! یہ بات تو دو مہینے پہلے کی ہے۔

دون اصول (کہتا ہوا جاتا ہے) ہم بھی طارق کو پکڑ کر اس کا نام قیدی رکھیں گے۔ زندہ باد اسپانیا !

عوام : زندہ باد ... وڈرک ! زندہ باد اسپانیا۔

ہراول : بادشاہ حملہ کا بگل بجوا رہا ہے۔

مرقادو : اسکی خبر دینے کی ضرورت نہیں، ہم بھی سن رہے ہیں۔ اب کیا اس مخمور شرابی، اس شاہی بگل نواز کے زیر کمان ہوں گے ؟

دوسرے ہراول : بادشاہ حملہ کا بگل بجوا رہا ہے۔

مرقادو : تمہیں خبر بھی ہے، دشمن آرہا ہے

ایڈیکانگ : دشمن نظر آگیا۔ دشمن آرہا ہے۔

مرقادو : ہم بھی دیکھ رہے ہیں، بتانے کی ضرورت نہیں۔

(بات چیت، عمومی حرکت۔ سپاہی دوڑ رہے ہیں، طبل و نقارے بج رہے ہیں، اسپانیا کے جھنڈے لہرا رہے ہیں، سوار حملہ کرتے ہیں، یہ کیفیت جاری رہتی ہے)

ایک ایڈیکانگ : عرب، شریش دریا سے، اپنے اونٹوں سمیت اس پار اُتر آئے۔

جنرل دون الفونس : (اپنی تلوار میان سے نکالکر) زمین کے نیچے تحت الثرے میں جائیں .... میرا گھوڑا

(گھوڑا آتا ہے۔ دہشت انگیز قیل و قال)

آوازیں : زندہ باد بادشاہ ! زندہ باد ملکہ !

مرقادو : بادشاہ اور ملکہ ہر وقت مل سکتے ہیں۔ ملک و ملت زندہ باد۔ ملک و ملت !

(جنرل دون الفونس سوار ہوکے روانہ ہوتا ہے۔ لوگ اُس کے ساتھ دوڑتے ہیں، حرکت عمومی۔ لوگ اِدھر اُدھر جاتے ہیں)

ایک فوجی افسر : عرب لطرتک پہونچ گئے۔ میدان سے گزر رہے ہیں۔

دوفریا : کاش ہم بھی اس لڑائی سے صاف نکل جاتے۔

(جھگڑا اور بحث و تکرار بڑھتی ہے۔ آخر میں تیر اندازی شروع ہوتی ہے۔ کمانیں کھنچتی ہیں۔ زخمی سپاہیوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں حملہ ہوتا ہے لوگ ایک دوسرے پر گرتے ہیں)

چند آوازیں : بادشاہ آرہا ہے، ہمارا بادشاہ روڈرک زندہ باد۔

مرقادو : زندہ باد اسپانیا۔ بادشاہ تخت رواں پر سوار ہوکر آرہا ہے غالباً اس کا تخت روانہ ہو رہا ہے، احمق، کیا عورت کا شکار کرنے نکلے ہیں آپ ؟ کیا لڑائی میں جواہرات کے زیور پہن کر، نفیس کپڑے پہن کر نکلا جاتا ہے۔ ہاں، تخت رواں، لینڈو گاڑی ہے اپنی شاہی جلوس کی گاڑی پر آرہا ہے۔ گردونۂ گردوں رفتار پر سواری فرمائی ہے (لوگ ہنستے ہیں) اللہ اللہ۔ خیر ہم مر تو رہے ہیں مگر مرتے وقت، اس منظر نے ہمیں ہنسا تو دیا۔

سرکار، گردونۂ آتش مدار، دشمن گرفتار پر سوار آرہے ہیں۔

(باقی) سید سجاد حیدر یلدرم

غزل اور اس کا مفہوم

غزل کی تعریف

شعراء کی اصطلاح میں غزل اُس صنف سخن کا نام ہے جس کے اشعار میں عموماً سلسلہ نہیں ہوتا بلکہ ہر شعر میں ایک منفرد خیال نظم ہوتا ہے۔

معنوی اعتبار سے واردات عشق کے اظہار کا نام غزل ہے عربی کا محاورہ ہے "قال زید الغزل من عمر" یعنی زید عشقیہ مضامین عمر سے بہتر نظم کرتا ہے۔ اُردو میں اس کی جامع و مانع تعریف یہ ہے "معشوق کی باتیں معشوق سے" لیکن شعراء نے اس کو یہیں تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر قسم کے مضامین عشقیہ پیرائے میں ادا کئے اور اس کا نام غزل رکھا۔

غزل کا نمایاں وصف یا معیار کمال

عشقیہ کیفیتیں غزل کا اصلی موضوع بیان ہے اور اس کے ہر شعر کا نمایاں وصف اثر انگیزی ہے۔ عشقیہ کیفیتیں کم و بیش تمام انسانوں میں مشترک ہیں لیکن ایک شاعر دوسروں پر بھی وہی اثر ڈال دیتا ہے جو وقت نظم اس کے دل میں موجزن تھا۔ کبھی وہ لیلیٰ کے دل کی ترجمانی کرتا ہے، کبھی مجنوں کی زبان میں باتیں کرتا ہے، کبھی گل و بلبل کا ذکر کرتا ہے اور کبھی قفس و صیاد کا، لیکن درحقیقت اسی کے واردات ہوتے ہیں، جنھیں وہ تشبیہ و استعارہ کی صورت میں بہت زیادہ موثر بنا دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

کنج قفس میں تھی یہ تمنا قید سے ہوں آزاد کہیں — خوف ہے اب بے بال و پری میں چھوڑ نہ دے صیاد کہیں (شاد)

ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں — ابر سیاہ جانب گلزار دیکھ کر، (ثاقب)

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے — جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے (ثاقب)

ان شعروں میں جو نازک جذبات ادا کئے گئے ہیں وہ دوسری طرح ادا ہو ہی نہیں سکتے۔ لیکن یہ خوبی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب سیدھے سادے طریقہ سے روزمرہ کی زبان میں مطلب ادا کر دیا جائے۔ میر کا شعر ہے:

اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے — میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

اسی قلبی کیفیت کو ناسخ یوں ادا کرتے ہیں ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا — طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

یہ شعر سامان سوز میں میر کے شعر سے کہیں زیادہ ہے لیکن اثر کا نام نہیں اس لئے ضروری ہے کہ فطری جذبات اس طرح ادا کئے جائیں جن سے ان کا فطری ہونا ظاہر ہو یہ اسوقت ہوگا جب کوئی بات غیر فطری نہ ہو یعنی زبان، پیرایہ بیان اور لب لہجہ سب فطری ہوں،

فطری خیالات

فطری خیالات کے یہ معنی ہیں کہ شعر میں جو خیال نظم کیا گیا ہو وہ فطری ہو، جذبات کے لحاظ سے بھی اور حالات کے لحاظ سے بھی۔ فطری جذبات سے مراد وہ کیفیتیں ہیں جو فطرتاً انسان کے دل پر طاری ہوتی ہیں اور فطری حالات سے وہ مناظر مراد ہیں جو واقعی ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں لیکن ان کے اظہار میں ندرت بیان بہت ضروری ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ ان حالات کو ایک نئی صورت میں پیش کرے اور اسی کے ساتھ عقلاً مستبعد نہ ہو، بلکہ عقل اس کو تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ کرے اور آنکھیں کہیں کہ یہ دیکھی ہوئی حالت ہے مثلاً:

حسینان جہاں یوں خوابگاہ ناز سے اُٹھے — پریشاں زلف ماتھے پر شکن بگڑے ہوئے تیور (محشر لکھنوی)

اس شعر میں جس منظر کی تصویر کشی کی گئی ہے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

تخیل کی بے اعتدالی

جو لوگ تخییل کی افراط کو معنی آفرینی سمجھتے ہیں ان کو حسان ابن ثابت کا یہ شعر سامنے رکھنا چاہیے:

وان اشعر بیت انت قائلہ بیت یقال اذا انشدتہ صدقا

یعنی سب سے اچھا شعر وہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو سننے والے بول اٹھیں کہ کتنا سچ کہا ہے۔ اس لئے غزل گو کا کمال یہ ہے کہ وہ ان حالتوں کو اس طرح ترتیب دے کہ واقعیت سامنے آجائے۔ مرزا دبیر کا ایک بند ملاحظہ ہو:

گیا جو فوق سے تحت الثریٰ کو اب حسام — بنا خرابہ قاروں خرابۂ حمام
فلک نے تختۂ یونان زمیں کا رکھا نام — ہوا رطوبت اطراف سے زمیں کو زکام

دماغ خاک پہ نزلہ بصد وفور گرا
کیا جو عطسہ تو قاروں نکل کے دور گرا

اس بند میں اتنی باتیں فطری ہیں رطوبت سے زکام ہونا۔ دماغ پر نزلہ گرنا اور اس کی وجہ سے چھینک آنا لیکن تلوار کا پانی حقیقی پانی سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا اس پر اتنی زیادتی کہ زمین کے ایک حصہ کا حمام بن جانا اور تختۂ یونان کی طرح طوفانی ہو جانا پھر زمین کو زکام ہونا اس کو دماغ فرض کرنا اس پر نزلہ گرانا اس کی وجہ سے اس کا چھینکنا اور قارون کا دور جا کے گرنا کس قدر مضحک باتیں ہیں۔ اس سے پست درجہ یہ ہے کہ عقلاً تو ممکن نہ ہو لیکن شاعر اپنی قوت تخییل سے ممکن بنا دے یا ایسی تصویر کھینچ دے جس سے مشابہ خارج میں ممکن ہو۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ فطری خیالات یا واقعات متبذل شرمناک اور حیا سوز نہ ہوں جیسے:

کچھ اشارہ کیا جو ہم نے ملاقات کے وقت — ٹال کر کہنے لگے دن ہے ابھی رات نہیں، — انشاء
جاڑے میں کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہے ہوں — اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں — "

فطری زبان

فطری زبان سے مراد یہ ہے کہ جس زبان میں ہم روزانہ معمولی طور پر مطلب ادا کرتے رہتے ہیں وہی زبان غزل کے لئے مناسب ہے گویا وہ شخص بغیر کسی تصنع اور تکلف کے باتیں کر رہے ہیں اور یہ بات روزمرہ ہی کی زبان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر تصنع پیدا ہو گیا تو کلام میں نہ زور رہے گا نہ سادگی اور شعر بے اثر ہو جائے گا۔ اسکی ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے — میں راتوں کو اٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے
مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا — طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

ان دونوں شعروں میں درد فراق و سوز ہجر کی کیفیت بیان کی گئی ہے لیکن پہلا شعر جتنا پر اثر ہے دوسرا اتنا ہی بے اثر اسکی وجہ یہی ہے کہ پہلے شعر میں ادائے مطلب فطری زبان میں کیا گیا ہے اور دوسرے شعر میں فطری حالت غیر فطری زبان میں بیان کی گئی ہے۔

ذیل میں ہم اُن صورتوں کو بیان کرتے ہیں جن سے فطری زبان باقی نہیں رہتی۔

(۱) جزالت:۔ یہ ایک کیفیت ہے جو مختلف صورتوں سے کلام میں پیدا ہو جاتی ہے اس سے سادگی باقی نہیں رہتی اور غزل کا شعر بے اثر ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سامع الفاظ کے شان و شکوہ سے متاثر ہو جاتا ہے اور معنی کی طرف التفات نہیں رہتا۔ جزالت کی مختلف صورتیں یہ ہیں:

(الف) جب غزل میں خوبصورت اور شاندار الفاظ یکجا ہو جاتے ہیں تو جزالت پیدا کر دیتے ہیں جیسے:

شب کہ برق سوز دل سے زہرۂ ابر آب تھا — شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا — غالب

(۲) فارسی ترکیبیں بھی کلام میں جزالت پیدا کر دیتی ہیں جیسے ؎

سازِ یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بیداغ سویدائے بہار — غالب

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فارسی کی ایک چھوٹی سی ترکیب جس وسیع مضمون کو ادا کر دیتی ہے اُردو کی ایک طویل عبارت بھی اس کے لئے ناکافی ہے یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے لیکن غزل میں ایک خاص حد تک اس کو جایز رکھا جا سکتا ہے مثلاً:

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں — تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا، (غالب)
میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں — وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا "
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ — ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا "

اس طرح کی فارسی کی چھوٹی چھوٹی ترکیبیں آجائیں تو مضایقہ نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فارسی لفظوں اور ترکیبوں سے کلام میں زور پیدا ہو جاتا ہے ایسے لوگ زبان پر قدرت نہیں رکھتے وہ فارسی کے الفاظ جا بے جا صرف کر کے اپنے کلام کو پر شوکت بناتے اور اُردو پر الزام رکھتے ہیں اُن لوگوں کو میر انیس کی یہ بیت دیکھنا چاہیئے ؎

ریلا جو ہوا ناریوں کا رول کے نکلی — شیرازۂ اجزائے بدن کھول کے نکلی

پہلا مصرع جو فارسی ترکیبوں سے یکسر پاک ہے کتنا پر زور ہے بہ نسبت دوسرے مصرع کے جو فارسی ترکیب اور الفاظ سے پُر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو کلام جتنا سادہ ہوگا اتنا ہی زور اور اثر میں زیادہ ہوگا اور وہی کلام سادہ ہوگا جس میں روزمرہ کا التزام زیادہ ہوگا یہاں روزمرہ سے وہ الفاظ اور ترکیبیں مراد ہیں جو اہل زبان کی زبان پر برابر آتی رہتی ہیں خواہ وہ کسی زبان کی ہوں اور ان کے استعمال میں مضایقہ نہیں جیسے میر انیس کی یہ بیت ؎

اکبر نے کہا شرم سے گردن کو جھکا کر — میں قبلہ و کعبہ کی رضا سے نہیں باہر

اس میں قبلہ و کعبہ ایسا جملہ ہے جو عربی ترکیب کے ساتھ آیا ہے لیکن جزالت کا نام نہیں اس طرح اگر عربی، فارسی، یا ہندی کی ایک آدھ ترکیب کے الفاظ میں گھل مل جائے تو کلام میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی ذیل کے مصرعوں پر غور کرنے سے اندازہ ہوگا کہ کسی بات کو فطری زبان میں ادا کرنے سے کتنی روانی اور برجستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عون و محمد امام حسین سے عرض کرتے ہیں:

اماں کا تو نازک ہے مزاج آپ ہیں آگاہ

دوسری جگہ کہتے ہیں:

عورت ہیں یہ خوبو شہ مرداں کی ہے ساری

مادر علی اکبر لاش علی اکبر پر یوں بین کرتی ہیں:

بتلا علی اکبر تیرے مرنے کے یہ دن تھے

کون خوش مذاق ان مصرعوں کے زور سے انکار کر سکتا ہے۔ ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ جس زبان میں ہم روزانہ معمولی طور پر مطلب ادا کرتے ہیں جب اُسی کو نظم میں لے آتے ہیں تو فصاحت و بلاغت، حلاوت و ملاحت، برجستگی و سادگی، زور اور اثر کی انتہا نہیں رہتی اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تشبیہ و استعارہ لفظی و معنوی صنعتوں کا دروازہ بند ہو جائے گا یہ تمام چیزیں فطری ہیں البتہ استعمال فطری اور غیر فطری طریقوں پر ہوتا ہے مثلاً "میں یہاں آؤں تو تم وہاں جاؤ" اس فقرہ میں صنعت تضاد و تقابل ہے۔ درد کی ایذا میں "ارے دم نکلا" "ہائے مر گیا" ایسے فقرے بے اختیار زبان سے نکل جاتے ہیں اور ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا اور صنعتوں کا صحیح استعمال یہی ہے کہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ صنعت پیدا کرنے کے لئے الفاظ اس طرح ترتیب دئے گئے ہیں۔

فارسی ترکیبوں سے غزل کی نزاکت نہ باقی رہنے کی ایک عمدہ مثال یہ شعر ہے:

اپنے مرکز کی طرف مایل پرواز تھا حسن — بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

اس شعر کے پہلے مصرع میں فارسی لفظیں اور فارسی ترکیب ہے جس کی وجہ سے جزالت پیدا ہو گئی ہے لیکن دوسرے مصرع کی نرمی اور نزاکت

کا اندازہ صاحبان ذوق ہی کر سکتے ہیں دونوں مصرعے ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے نہیں معلوم ہوتے اس لئے ایک دوسرے سے کھچا کھچا ہے یہاں تک تو جزالت کی وہ صورتیں بیان کی گئیں جن سے فطری زبان باقی نہیں رہتی لیکن اسی ضمن میں ان صورتوں کو بھی پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن سے فطری زبان تو باقی رہتی ہے لیکن غزل کی لطافت اور نزاکت رخصت ہو جاتی ہے۔

(ج) جزیل انداز بیان ۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے غزل کا لوچ باقی نہیں رہتا۔ میر محمد رضا برق کہتے ہیں :

خیر گزری کہ چلے آئے کہا مان لیا ورنہ تم دیکھتے اسوقت کہ پھر کیا ہوتا

آتش کدہ تغزل کے پیر مغاں نواب مرزا داغ دہلوی بھی کبھی کبھی اپنے معشوق کو بری طرح ڈانٹتے ہیں :

کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں
مجھ سے لاغر تیری نظروں میں کھٹکتے تو رہے تجھ سے نازک مری آنکھوں میں سماتے بھی نہیں

عزیز کا یہ طعن بھی مسلک عشق کے خلاف ہے :

عہد میں تیرے ستم کیسا نہ ہوا خیر گزری کہ تو خدا نہ ہوا

غزل کی نزاکت یا مزاج حسن کی نزاکت اس سختی کا تحمل نہیں کر سکتی۔ لیکن انداز بیان کی یہ جزالت بعض موقعوں پر لطف دیجاتی ہے بشرطیکہ عاشقانہ اسپرٹ اس میں موجود ہو یا تخاطب معشوق سے نہ ہو۔

او مرا دل لینے والے اب وہ تیور ہی نہیں اس سے پہلے بات کرنے کا یہی انداز تھا (عزیز)
کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں (داغ)

(د) الفاظ کی باہمی ترکیب سے بھی جزالت پیدا ہو جاتی ہے ۔

اٹھ گیا ہمن و دے کا بھتاں سے کل تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل ۔ (ذوق)

(ہ) الفاظ کی فطری ترتیب ۔ روزمرہ کی زبان میں مسند و مسند الیہ جس ترتیب سے آتے ہیں وہ اسکی فطری ترتیب ہے، کیونکہ ہر زبان یہ ترتیب اپنے ساتھ لیکے پیدا ہوتی ہے۔ اسی کو سامنے رکھ کے نحوی قواعد منضبط کئے جاتے ہیں۔ حسن کلام کے لئے اس ترتیب کا باقی رہنا ضروری ہے۔ آسان تھا کہ ہم فطری ترتیب کے عوض نحوی ترتیب لکھتے جیسا کہ عام طور پر اہل فن نے لکھا ہے لیکن ہماری رائے میں یہ لفظ اتنی جامع نہیں اسواسطے کہ نحوی ترتیب ہر جگہ زبان کا ساتھ نہیں دے سکتی بہت سے جملے نحوی ترتیب کے خلاف استعمال ہوتے ہیں اگر ان کو صحیح کیا جائے تو غلط ہو جائیں اور مفید مطلب نہ رہیں مثلاً پہلے مسند الیہ آتا ہے پھر مسند اجزائے مسند میں فعل سب کے بعد آتا ہے خبر اور مفعول دونوں فعل سے پہلے آتے ہیں جیسے "میں کھانا کھاتا ہوں" "میں کتاب پڑھتا ہوں" لیکن یہی جملے اس ترتیب سے بھی استعمال ہوتے ہیں "کھانا میں کھاتا ہوں" "کتاب میں پڑھتا ہوں" یہ ترتیب نحوی قاعدے سے درست نہیں لیکن اہل زبان اس کی صحت سے کب انکار کر سکتا ہے۔ ایسی ترتیب زور کلام اور تاکید و تشدید کا فائدہ دیتی ہے اور اس کے علاوہ بھی خاص خاص معنی کے لئے مفید ہوتی ہے اسلئے یہاں اس کی فطری ترتیب یہی ہے اور یہی نثر میں بھی ہے نظم میں بھی اکثر یہی صورت ہوتی ہے ؎

ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں

اس مصرع میں نحوی قاعدے سے الفاظ کی ترتیب یوں ہونا چاہئے "قفس میں روشنی ہے مگر سوجھتا نہیں" لیکن موجودہ ترتیب میں ہے کے لازم آتا ہے کہ روشنی کے وجود میں تاکید و تشدید پیدا ہو گئی اور یہ فائدہ نحوی ترتیب سے حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔ نثر میں بھی ایسے موقعوں پر یہی ترتیب ہوتی ہے اور یہی شعر نے اس مصرع میں تصرف دو لفظوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے بہت سے شعر ایسے ہوتے ہیں جن میں جملے کے جملے یہیں سے نہیں بدلے جاتے ہیں مثلاً

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے رویا ہوتے جو کئی دیدہ خونناب فشاں اور (غالب)

نحوی قاعدے سے اس کی صحیح ترتیب یہ ہے: اگر کئی دیدہ خونناب فشاں اور ہوتے تو میں دل کھول کے روتا اس لئے کہ خون جگر جوش میں ہے یہ نثر جملہ معلّلہ ہے جو دو بڑے جملوں میں منقسم ہے پہلا معلول دوسرا علت ہے اور علت کو معلول سے پہلے آنا چاہئے، پہلا جملہ یہ ہے کہ اگر کئی دیدۂ خونناب فشاں اور ہوتے تو میں دل کھول کے روتا یہ جملہ تمنائیہ ہے۔ نحوی قاعدے سے جس چیز کی تمنا کی جائے اس کو پہلے آنا چاہئے اور جس لئے تمنا کی جائے اس کا ذکر بعد میں ہونا چاہئے دوسرا جملہ خبریہ ہے اور اسکی نحوی ترتیب وہی صحیح ہے جس طرح ہم نے لکھی ہے مگر شعر میں یہ ترتیب بالکل اُلٹ پلٹ ہوگئی ہے اور شعر میں جو زور اور اثر ہے وہ اسی ترتیب کی بدولت ہے اگر الفاظ کا یہ جال ٹوٹ جائے تو سارا طلسم خاک میں ملجائے۔ اس لئے یہی ترتیب یہاں صحیح ہے اور جہاں جو ترتیب مفید معنی ہو وہی فطری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کبھی کبھی تعقید پیدا ہوجاتی ہے۔ لیکن وہ سماعت پر بار نہیں ہوتی اور اس سے مطلب سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر وہ تعقید جو شعر کے مطلب کو خبط اور سامع کے ذہن کو مغالطہ میں ڈال دے تو بے شبہ ناجایز ہے ؎

عقل کر دیتی ہے انساں کی جہالت زائل — موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے (آتش)

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ جہالت انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے اور موت سے بچنے کے لئے سپر کی آڑ کرتا ہے لیکن شعر کا مطلب یہ ہے کہ عقل انسان کی جہالت کو زایل کر دیتی ہے اور یہ مراد تایل کے خلاف ہے۔ اصول فصاحت کا ناواقف اس فرق کو نہیں سمجھتا اور تعقید کے جواز سے ناجائز فایدہ اُٹھا کے شعر کو غارت کر دیتا ہے۔

(۳) غریب اور نامانوس الفاظ:۔ غیر مشہور و غیر متداول الفاظ شعر کو بے افہم، بے اثر اور فطری زبان سے الگ کر دیتے ہیں اس لئے ایسے الفاظ کا استعمال صحیح نہیں اور کلیتہً ممانعت بھی نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ مضامین کے تنوع کی انتہا نہیں ہوسکتا کہ ایسا مضمون ذہن میں آجائے جس کے لئے روزمرہ کی زبان ناکارہ ثابت ہو ایسے موقع پر اگر کوئی مشکل لفظ آجائے تو مضایقہ نہیں بشرطیکہ مطلب سمجھنے میں انھیں کوئی دقت نہ ہو غیر مشہور الفاظ اس طرح آسکتے ہیں جس سے اُن کے معنی کی خود تعیین ہوجاتی ہے ؎

نافہمی کی دلیل ہے ہر سجدہ سے ابا — ابلیس پر حقیقت آدم عیاں نہ تھی (آتش)

یہاں ابا کے معنی نہ جاننے والا بھی معنی سمجھ سکتا ہے ؎

تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر ژیاں — سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں (انیس)

اس شعر میں سناں کے معنی نہ جاننے والا بھی سوائے نوک نیزہ کے اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ اسی طرح مغلق الفاظ کبھی اس طرح واقع ہوتے ہیں کہ ان کے معنی سامع کو نہیں معلوم ہوتے نہ کوئی قرینہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی شعر کا وہی اثر ہوتا ہے جو معنی سمجھنے کے بعد ہوتا جیسے مذکورۂ بالا شعر میں ژیاں کا لفظ ہے جس کے ساتھ نہ کوئی قرینہ ہے جو شعر کی اس مخصوص حالت پر دلالت کرے جس طرح پہلے شعر میں "ابا" انکار کے معنی پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے بعد بھی شعر کا وہی اثر رہتا ہے جو معنے جاننے کے بعد ہوتا اس لئے کہ یہاں قرینہ نے اگرچہ اس کے اصلی معنی نہیں بتائے مگر اتنی رہبری ضرور کی کہ یہ بھی شیر کی کوئی ایسی صفت ہے جو بپھرنے کی حالت سے تعلق رکھتی ہے اتنا معلوم ہوجانا اثر کے لئے کافی ہے ؎ ناز و انداز و ادا غمزہ و اغماض و حیا — آب و گل میں ترے سب کچھ ہے مگر پیار نہیں

اس میں اگرچہ کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو غمزہ، اغماض، کے ٹھیک ٹھیک معنی بتائے لیکن ناز و انداز و ادا نے اتنی رہنمائی ضرور کی کہ یہ بھی معشوق کی کوئی اسی سے ملتی جلتی صفت ہے اور اثر کے لئے اتنا علم کافی ہے۔

الفاظ کا توازن و تناسب

یہ بتایا جاچکا ہے کہ روزمرہ زبان فطری زبان ہے، نیز ان الفاظ کی ساخت بھی فطری ہے اگر کوئی کلام الفاظ کی ترتیب و ساخت کے ساتھ موزوں بھی ہو تو اس کی موزونیت کو فطری کہا جائے گا۔

مثلاً ؎ پہلے تو اس نے قتل مجھے بے سبب کیا — اب ہاتھ مل رہا ہے کہ یہ کیا غضب کیا (جاوید لکھنوی)

چپ رہوں گا تو ستائے گا مجھے دل میرا — کچھ کہوں گا تو مزاج آپ کا برہم ہوگا "

ان شعروں میں ردیف، قافیہ اور بحر کی تمام پابندیوں کے بعد بھی اس قدر سادگی، برجستگی اور بے تکلفی ہے کہ نثر ہی میں ہو سکتی ہے معلوم ہوتا کہ الفاظ خود بخود نظم کی طرف کھنچتے چلے جا رہے ہیں اس کی بدولت شعر میں ایک دلآویزی پیدا ہو گئی ہے اگرچہ یہ دل آویزی موزونیت ہی کے سبب سے ہے لیکن یہ موزونیت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی ہے غزل میں معتدل موزونیت کی ضرورت ہے اس اعتدال موزونیت سے الفاظ کا وہ توازن و تناسب مراد ہے جس سے کلام میں ایک معتدل روانی پیدا ہو جائے یہ اعتدال چند حالتوں میں باقی نہیں رہتا۔

(۱) جب الفاظ کے حروف میں سے کسی کی فطری آواز میں کمی یا زیادتی ہو جاتی ہے اور زبان سے کوئی حرف پھنس پھنس کے نکلتا ہے یا کسی کی آواز دب جاتی ہے اور کسی کی آواز کھنچ جاتی ہے جیسے: "نقش نازبت طناز بآغوش رقیب" (غالب)

اس مصرع میں نقش کا قاف تالو میں پھنستا ہے شین زبان سے پھسل کے گر جاتی ہے بت طناز میں ت اور ط کی آواز سے زبان لڑتی ہے ت اور نون مشدد کی آواز الف کی آواز میں مل کے اچھا خاصہ ثقل پیدا کرتی ہے اسی طرح اس مصرع میں

پہلے ریتی تھی جہاں اب وہاں چلتی ہے ناؤ (صفی)

پہلے، تھی، وہاں کی آواز دب جاتی ہے، چلتی ہے ناؤ کی آواز میں غیر معمولی کھچاؤ ہے برخلاف اس کے یہ مصرع ملاحظہ ہو:

ہوائے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل

اس میں روانی زیادہ ہے اور زبان سے بہ آسانی نکلتا ہے، یہ صورت اکثر عطف و اضافت سے پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ ان باتوں سے شاعر کو مفر نہیں، کیونکہ بعض محل پر بحر کی محدود وسعت حرف کو پاؤں پھیلانے کی اجازت نہیں دیتی اور بعض حرف ہی ایسے ہوتے ہیں---

------ جن کی آواز مخرج میں پھنسے بغیر نکلتی ہی نہیں جیسے "قاف" اور بعض موقعوں پر عطف و اضافت کے بغیر چارہ ہی نہیں لیکن یہ باتیں اسوقت تک قابل اعتراض نہیں ہیں جب تک غیر محسوس طور پر ہوں اس صورت میں کلام میں ایک ایسی ہمواری اور تناسب پیدا ہو جاتا ہے جس کو ہم موزونیت کہتے ہیں اور جہاں الفاظ کی فطری ساخت میں فرق آجاتا ہے وہاں موزونیت ایک زبردستی کی ٹھونس ٹھانس معلوم ہوتی ہے اور شعر کے اثر روانی اور سلاست کو کم کر دیتی ہے یہ بات اکثر اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ایک مطلب ادا کرنے کے لئے شاعر نے چند لفظیں تجویز کیں ان لفظوں نے پورا مطلب بھی ادا کر دیا لیکن عروضی موزونیت نہیں پیدا ہوئی اور شاعر کو اس سے بہتر الفاظ یاد تو ملتے ہی نہیں یا ہیں نہیں اسوقت وہ کسی حرف کی آواز کو دبا کر کسی کو کھینچ کر حسب موقع کام نکال لیتا ہے اس طرح وہ بحر میں تو لے آتا ہے لیکن وہ رقت اور روانی جسے ہم موزونیت کہتے ہیں نہیں پیدا ہوتی جیسے "پہلے ریتی تھی جہاں اب وہاں چلتی ہے ناؤ"

------ مصرع میں موزونیت کی مثال بحالت عطف و اضافت ملاحظہ ہو:

میں قبلہ و کعبہ کی رضا سے نہیں باہر (انیس)

عورت میں یہ خوبو شہ مرداں کی ہے ساری "

پہلے مصرع میں عطف و اضافت دونوں ہے لیکن قبل و بعد کے الفاظ سے زیادہ نمایاں نہیں اس لئے روانی اور سلاست میں کوئی کمی نہیں محسوس ہوتی یہ حالت حروف کے دبانے اور کھینچنے سے بھی پیدا ہو سکتی ہے جیسے ؎ ابکی بارش میں ذرا سیر کو دریا کی تو جاؤ۔ (صفی)

اس مصرع میں بہت سے حرفوں کی آواز اپنی طبعی حد سے گھٹی ہوئی ہے لیکن ایک حد تک غیر نمایاں ہے۔

(۲) تنافر: قریب المخرج یا ہم مخرج حروف کے یکجا یا قریب ہو جانے سے بھی موزونیت رخصت ہو جاتی ہے مثلاً ؎

ادھر ضعف اور ادھر رعب اب سوال مشکل ہے کڑے دوپہر دن میں بیٹھی ہوئی آواز سائل ہے (امیر)

پہلے مصرع میں اُدھر رعب اب کے ٹکڑے نے موزونیت کو فنا کر دیا دوسرے مصرع میں "دوپہر دن" کی آواز کے دب جانے سے موزونیت غائب ہو گئی۔

(۳) ان صورتوں کے علاوہ ایک چیز اور بھی ہے جس کو موزونیت میں بہت بڑا دخل حاصل ہے اور وہ الفاظ کی ہم آہنگی ہے لیکن اسکا

کوئی طریق کار معین نہیں ہو سکتا اس کا مدار تمامتر ذوق صحیح پر ہے مرزا دبیر مرحوم گھوڑے کی سبک رفتاری یوں بیان کرتے ہیں ؎

آنکھوں میں پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو

انیس مغفور اسی مضمون کو یوں کہتے ہیں :

آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

دبیر کا مصرع انیس کے مصرع سے معناً بلند ہے لیکن الفاظ میں ہم آہنگی نہ ہونے سے وہ شیرینی اور سلاست نہیں اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ کو معنی پر ترجیح ہے جو لوگ معنی کے پیچھے الفاظ کی لطافت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ اثر کو بھی کھو بیٹھتے ہیں ۔ الفاظ کی ہم آہنگی کی نازک مثال میر انیس کے یہ دو مصرع ہیں : کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

مولانا شبلی نے موازنہ انیس و دبیر میں لکھا ہے کہ شبنم کی جگہ اوس اور اوس کی جگہ شبنم کی لفظ اگر رکھ دیجائے تو وہ لطافت باقی نہیں رہتی اس فرق کو محسوس کرنا مذاق سلیم کا کام ہے لیکن حضرت آرزو نے نظام اُردو میں یہ قاعدہ پیش کیا ہے کہ پہلے مصرع میں چونکہ اوس کھانا محاورہ ہے اس لئے وہاں شبنم کی لفظ اچھی نہیں معلوم ہوتی لیکن شبنم کی جگہ اوس بآسانی آسکتا ہے جیسے : "چھلکا رہی تھی اوس کٹورے گلاب کے"

اس مصرع کو انھوں نے اصل مصرع سے بہتر کہا ہے لیکن میرا ذوق ان دونوں میں سفید و سیاہ کا فرق محسوس کرتا ہے ۔

اصل میں حضرت آرزو کے خیال کی بنیاد اس نظریہ پر ہے جو برسوں سے مشہور چلا آتا ہے کہ وہ کلام زیادہ رقیق، رواں، شیریں اور فصیح ہوگا، جس میں روزمرہ اور محاورے کی پابندی زیادہ ہوگی اس لئے کہ وہ زبانوں پر آتے آتے گویا کھراد پر چڑھ جاتے ہیں اور کانوں کو ان سے انس پیدا ہو جاتا ہے یہ خیال کسی حد تک صحیح ہے لیکن بالکل صحیح نہیں بعض اوقات ضرب الامثال و محاورات میں ایسے الفاظ آجاتے ہیں جن کی آواز قبل و بعد کے حروف سے مناسبت نہیں رکھتی ایسے موقعوں پر ذوق صحیح اس کو قبول نہیں کرتا اور تصرف پر مجبور ہوتا ہے اس تصرف سے سلاست و روانی پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ قاعدہ و تصرف غلط ہوتا ہے لیکن اُصول فصاحت کی بنا پر صحیح جیسے میر انیس کا یہ مصرع :

آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے زہے فہم

مثل ہے : "آنکھ کی بدی بھوں کے سامنے" لیکن یہاں بھوں کی آواز کا بھیانک پن کانوں کو ناگوار ہو اور فصاحت تصرف پر مجبور کرتی ہے میر تقی میر مرحوم کا شعر ہے ؎

ابر اُٹھا تھا کعبہ سے اور جھوم پڑا میخانہ پر بادہ کشوں کا جمگھٹ ہے گا شیشہ اور پیمانہ پر

اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ اصل محاورہ فارسی کا ہے اور اہل زبان نے ابر قبلہ کہا ہے ابر کعبہ نہیں کہا میر صاحب نے کہا کہ یاں قبلہ کا لفظ بھی آسکتا ہے مگر کعبہ سے مصرع کی ترکیب ذرا گرم ہو جاتی ہے لیکن جو لوگ زبان کی صحت کے دلدادہ ہیں وہ ایسے موقع پر مصرع کی اصلی لطافت (فصاحت) اور حقیقی جوہر (اثر) کو کھو بیٹھتے ہیں اور اسی کو فصیح و صحیح سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بالکل غلط ہے کلمہ فصیح کی لوگوں نے مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن ان میں سے کوئی جامع و مانع نہیں ہیں البتہ عرب کا ایک انشا پرداز کلمہ فصیح کی یہ تعریف کرتا ہے " دخل الاذن بلا اذن" کان میں بغیر اجازت کے داخل ہو جائے یہ تعریف البتہ جامع و مانع ہے اس کی بنا پر انیس کے مصرع میں ابر کا لفظ بالکل صحیح ہے میر انیس نے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا ان کے نزدیک کلام کی اصلی خوبی فصاحت تھی جس کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اسی طرح قواعد کی رعایت بھی وہ فصاحت کے مقابلہ جائز نہیں رکھتے تھے ۔

موزونیت میں بحر کو بھی بہت بڑا دخل حاصل ہے اس لئے بحر کا انتخاب مندرجۂ ذیل اُصول کے ماتحت ہونا چاہئے ۔

(الف) بعض بحریں ایسی ہوتی ہیں جن میں شعر کہنے سے موزونیت نہیں پیدا ہوتی، جیسے :

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا

میر کا شعر ہے ؎ ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا — دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

سعدی شیرازی کہتے ہیں ؎ سعدی اگر عاشقی کنی وجوانی — عشق محمد بس است و آلِ محمد

صاف ظاہر ہے کہ کہیں سے دبا کے کہیں سے جھکا کے زبردستی توڑ مروڑ کے بعد شعر نظم کیا گیا ہے ایسی بحریں غزل کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتیں اور پر تاثیر شعر مشکل سے نکل سکتا ہے۔ مذکورۂ بالا اشعار عروضی قواعد کی بنا پر صحیح ہیں لیکن پڑھنے میں روانی اور موزونیت نہیں معلوم ہوتی اور بحروں میں کچھ زحاف ایسے ہیں جن کی وجہ سے سکتہ سا محسوس ہوتا ہے اور شعر ناموزوں معلوم ہوتا ہے غزل کے لئے بحروں کے انتخاب میں خاص سلیقہ کی ضرورت ہے ——— طویل اور چھوٹی سی چھوٹی بحریں موزونیت پیدا ہو سکتی ہے ؎

اک ہوک سی دل میں اُٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے — میں راتوں کو اُٹھ اُٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو اُن نے تو — قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

(ب) بحر اور مضمون کی وسعت میں اتحاد ہونا چاہئے ایسا نہ ہو کہ مضمون ختم ہو جائے اور مصرع پورا نہ ہو اور اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے کچھ لفظیں اور بڑھائی جائیں ؎

مانگی جگہ لحد کی تو بولا وہ شاہ حسن — تکیہ بنے فقیر کا یہ وہ زمیں نہیں (امیر مینائی)

اس شعر میں شاہ حسن کا ٹکڑا زائد ہے اسی کو بھرتی کہتے ہیں۔

واقف خان آرزو کے مشہور شاگرد نور العین واقف فارسی کے کمال شاعر تھے انھوں نے بنارس جاکر شیخ علی حزیں مرحوم سے ملاقات کی شیخ نے ان کا کلام سننے کی خواہش کی واقف نے شعر پڑھا ؎

سیہ چوری بدست آں نگارے نازنیں دیدم — بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے عنبریں دیدم

شیخ نے کہا ہمیں بس است:

سیہ چوری بدست آں نگارے — بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

واقف نے بھی اس اصلاح کو پسند کیا۔

اسی طرح مضمون کا پھیلاؤ اتنا نہ ہونا چاہئے کہ بحر کا دامن تنگ ہو جائے غالب کا شعر ہے ؎

عشرت قتلگہ اہل تمنا مت پوچھ — عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

علامہ نظم طباطبائی لکھتے ہیں کہ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ قتل گاہ میں عشاق کو ایسی مسرت حاصل ہے کہ شمشیر کو عریاں دیکھ کر وہ جانتے ہیں کہ ہلال عید کا نظارہ ہو گیا لیکن بحر کی تنگی سے ہلال کی لفظ نہ آسکی اس لئے مطلب ناتمام رہ گیا۔ اس بحث سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ موزونیت سے ہماری مراد عروضی موزونیت نہیں ہے بلکہ ہمارے نزدیک جس کیفیت کا نام موزونیت ہے وہ ایک طرح کی معتدل روانی اور سلاست ہے جو الفاظ کے دروبست سے پیدا ہوتی ہے۔

خاتمہ کلام ان تمام باتوں کے بعد چند باتیں اور بھی ہیں جو غزل کے شعر کو بے اثر کر دیتی ہیں :۔

(۱) تلمیح :۔ یہ حقیقت میں تشبیہ ہے جو اُس سے زیادہ وسعت رکھتی ہے، اس میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کلام میں زور بڑھ جاتا ہے اور بغیر واقعہ سنے سامع پر اتنا ہی اثر پڑتا ہے جتنا واقعہ سننے سے۔ غزل میں اس امر کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی غیر مشہور واقعہ کی تلمیح نہ ہو ورنہ سننے والے پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ خاقانی کہتا ہے ؎

چوں طبع من فروغی عیش آرزو کند — من قصۂ خلیفہ و سقا بر آورم

اس شعر میں اس بھشتی کے واقعہ کا ذکر ہے جو غالباً ہارون الرشید کے قصر میں مدت دراز سے آب پاشی پر مامور تھا ایک دن خلیفہ نے اس کے کبر سن پر خیال کر کے پوچھا کہ تم کتنی مدت سے اس خدمت کو انجام دیتے ہو۔ بھشتی نے جواب دیا کہ حضور کے دادا کے وقت سے، ہارون

نے کہا کہ میرے باپ دادا دونوں مر گئے تم کیوں ابتک زندہ ہو بوڑھے بھشتی نے کہا کہ اُن دونوں بزرگوں نے بیحد دولت حاصل کی اور بہت جلد مر گئے اور میں جو کچھ حاصل کرتا ہوں وہ بہت دیر میں اور بڑی دشواری و محنت سے اور وہ بھی تھوڑی سی اس لئے مجھے زیادہ جینے کا حق ہے خلیفہ کو اس کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور اس کو بہت کچھ مال و زر دیا سوء اتفاق سے وہ تیسرے ہی دن مر گیا بعض کے نزدیک وہ کسی بری حرکت پر قتل کیا گیا - ظاہر ہے کہ یہ کوئی مشہور واقعہ نہیں جو لوگ تاریخ پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں ان میں سے بھی چند ہی کے علم میں یہ واقعہ ہوگا جب ایسے واقعات کی تلمیح ہوگی تو مطلب سمجھ میں نہ آئے گا غزل میں اُنھیں واقعات کی تلمیح ہونا چاہئے جنھیں بالتفصیل نہیں تو مختصراً ہر شخص جانتا ہو۔

(۲) ردیف و قافیہ کا انتخاب : اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض شعراء اپنی وقت پسندی کی دھن میں مشکل سے مشکل قوافی اور لمبی چوڑی ردیفیں اختیار کرتے ہیں جیسے کسی نے غزل کہی تھی خطِ زمیں کے تلے اور بطِ زمیں کے تلے - اسی طرح ایک صاحب نے داغ پر طاؤس - ردیف و قافیہ رکھا تھا ایسی بیہودہ مغز کاوی کا کوئی مآل نہیں نہ ایسے شعروں کو غزل کا شعر کہا جا سکتا ہے اسی طرح لمبی ردیفیں خواہ آسان ہی کیوں نہ ہوں شعر کو بے لطف کر دیتی ہیں۔ حضرت امیر مینائی کی ایک غزل صنمخانۂ عشق میں دیکھی جس میں قافیہ جوبن، چتون اور ردیف ماشاء اللہ ماشاء اللہ ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو ؎

چاند سا چہرہ نور سی چتون ماشاء اللہ ماشاء اللہ — کیا ہی نکالا آپ نے جوبن ماشاء اللہ ماشاء اللہ

(۳) مصرعوں کا لفظی تعلق :- بعض شعروں میں پہلا مصرع کا آخری لفظ دوسرے مصرع کا جزو ہوتا ہے، یہ بھی مناسب نہیں لیکن اگر شعر کا مطلب سمجھنے میں دقت نہ ہو تو کوئی مضایقہ نہیں - مثلاً :

میر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو اُن نے تو — قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا
غلام ایں کی میں ہمت کا ہوں کہ جو اپنے — جگر کے خون کو خوان تونگری جانے (سودا)

غزل کی معنوی قسمیں

چونکہ غزل کی دُنیا معشوقوں کی جلوہ گاہ ہے اس لئے اس کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں :

پہلی قسم :- معشوق حقیقی کا آئینہ جمال ہے یہ قسم غزل کی نہایت بلند ہے اس میں ایسے خیالات نظم نہیں ہو سکتے جن سے ابتذال و سوقیت کی بو آئے - یہ قسم جتنی بلند ہے اتنی ہی مشکل بھی ہے کیونکہ اس میں غزل کے خصوصیات پیدا کرنا آسان نہیں۔

اس قسم کی شاعری کے عیوب سے پاک ہونے کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ یہ معلم اخلاق بھی ہے اس میں قناعت، گوشہ نشینی، بے ثباتی دنیا اور ترک دنیا کی تعلیم بھی ہوتی ہے لیکن ایسے مضامین اسی وقت داخل کئے جا سکتے ہیں جب ان میں تغزل کا رنگ گہرا ہو جیسے بے ثباتی دنیا میں جاوید کا یہ شعر: ہم جس کو عمر سمجھے مدت ہی اسکی کیا تھی — اتنا نہ کہنے پائے کس فتنہ گر نے مارا

اسی مضمون کا ایک شعر سودا کا سنئے جو باوجود اپنی رنگینی کے احاطۂ تغزل سے باہر ہے ؎

اس گلشن ہستی کی عجب دید ہے لیکن — جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا

فلسفیانہ مضامین بھی غزل کا موضوع بن سکتے لیکن اسی شرط تغزل کے ساتھ ہم نے دیوان عرفی کے مختلف نسخوں میں یہ شعر دو طرح دیکھا ہے

حدِ کُنہ تو با دراک نشاید دانست — ایں سخن نیز باندازۂ ادراک من است

یہ ایک فلسفیانہ خیال یا علم کلام کا مسئلہ ہے جس کو شاعرانہ انداز سے بیان کیا گیا ہے اس کو غزل سے کیا ربط لیکن یہی شعر بعض نسخوں میں ایک لفظ کے تغیر کے ساتھ اس طرح دیکھا ؎

حدِ حسن تو با درک نشاید دانست — ایں سخن نیز باندازہ ادراک من است

شعر کے تمام الفاظ وہی ہیں صرف لفظ حسن نے اتنی دلکشی پیدا کر دی جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

محمد باقر شمس

تاریخ کے بھولے ہوئے اوراق

ملکہ تھیوڈورا کا دارالتوبہ ——— عورت کے نفسیاتی تلوّنات

خادمہ، ملکہ تھیوڈورا کے پاس حاضر ہوئی اور جُھک کر آداب بجالانے کے بعد کان میں کہا کہ ——— "میکائیل!"

ملکہ نے گھبرا کر سر اُٹھایا اور بولی ——— "چھوٹا یا بڑا؟"

——— "بڑا میکائیل ہے اور بہت پریشان و مضطرب نظر آتا ہے"

——— "بلالو"

خادمہ چلی گئی، ملکہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور اس کا محبوب چیتا جو اس کے قدموں پڑا سو رہا تھا وہ بھی اُٹھا اور آگے آگے ہولیا ——— وہ اُس کھڑکی کے پاس گئی جو سمندر کی طرف کھلتی تھی اور ایک ریشمی گدے پر دراز ہوگئی ——— اسی وقت ایک نوجوان اندر داخل ہوا۔ تیس سال کا دراز قامت خوبصورت نوجوان ——— یہ میکائیل تھا۔۔ سامنے پہونچتے ہی یہ دوزانو ہوگیا۔ ملکہ نے اپنا ہاتھ سامنے کردیا اور اس نے نہایت شوق کے ساتھ اس کو بوسہ دیا ——— ملکہ نے اپنی آغوش کھولدی اور وہ لب و رخسار، سینہ و گردن کو دیوانہ وار چومنے لگا۔ لیکن یہ حالت دیر تک قایم نہ رہی تھی کہ وہ دفعتًا رونے لگا اور بولا ——— "کیا یہ صحیح ہے کہ ملکہ اب میری حاضری کو پسند نہیں کرتی اور کیا میری جگہ کسی دوسرے نے چھین لی ہے؟"

ملکہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ کر سامنے کیا اور بولی:

"میکائیل، مجھے تم سے بڑی محبت تھی اور اب بھی ہے، لیکن زندگی میں کبھی کبھی ایسے حادثات بھی پیش آجاتے ہیں کہ انسان کو اپنا معمول بدلنا ہی پڑتا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ اس قصر میں آنے سے پہلے بھی میں تم سے محبت کرتی تھی۔ اور جب میں شہنشاہ کی ملکہ ہوکر تخت بیزنطین پر بیٹھی، جب بھی میں نے تمھیں اس قصر کے اندر آنے کا موقعہ دیا، یہاں تک کہ کئی کئی دن، کئی کئی رات ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے لیکن اب اس زمانہ کو ختم ہوجانا چاہئے کیونکہ ایک خاص واقعہ نے صورتِ حال بالکل بدلدی ہے"۔

——— "اے ملکہ وہ واقعہ کیا ہے، ذرا میں بھی تو سنوں"

——— "ہاں، سنو، چند دن اُدھر کی بات ہے کہ تمھارا بھائی آیا اور حاضری کی اجازت چاہی، چونکہ اس نے اپنا نام میکائیل بتلایا تھا اور میں دنیا میں صرف ایک ہی میکائیل کو جانتی تھی، اس لئے میں نے یہ سمجھ کر کہ تمھیں ہو، اسے اندر بلالیا"

——— "اس نے کیا کہا"

——— "اس نے محبت پیش کی اور محبت چاہی"

——— "تو کیا ملکہ نے اس کی خواہش کو پورا کیا"

——— "نہیں، میں نے اسے نکال دیا، لیکن چلتے چلتے وہ یہ کہ گیا ہے کہ نہ صرف بادشاہ کو میرے تمھارے تعلق کی اطلاع کردے گا۔ بلکہ سارے شہر میں مجھے بدنام کرے گا۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ تم اب آنا جانا چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ اپنے اس ارادہ سے باز آجائے یا....."

"ہاں، میں آج ہی رات کو یہ جھگڑا ختم کئے دیتا ہوں" ——— اور یہ کہکر وہ اُلٹے پاؤں واپس گیا۔

تھیوڈورا کے باپ کا نام اکلسیوس تھا اور ریچھ کی کاپیشہ کرتا تھا، ماں کا نام کسی کو معلوم نہیں اور نہ شاید کبھی معلوم ہو۔ جب اس کا باپ مرا تو اس کی عمر بہت کم تھی، اور کوئی شخص اس کی سرپرستی کرنے والا نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ کیا کر سکتی تھی، زندہ رہنا ضروری تھا اور صورت شکل اچھی تھی، اس لئے سڑکوں، گلیوں، ہوٹلوں، قمار خانوں، رقص گاہوں اور سرود خانوں میں جہاں کہیں کوئی شخص اس کے جسم کی قیمت دینے والا ملا گیا، اس نے قیمت وصول کی اور اپنا جسم اس کے سپرد کر دیا — ایک زمانہ تک اس نے اپنی زندگی اسی طرح بسر کی، یہاں تک کہ اس کے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کی زندگی کا ورق اُلٹا، اس نے سوچا کہ اگر اسی ماحول میں اس کی بچی کا نشوونما ہوا تو اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو میرا ہوا، اور توبہ کر کے اس نے ایک دوکان کھول لی جس میں عورتوں کے کپڑے سیا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ امراء شہر کی لڑکیاں اور بیویاں اسکی دوکان پر آنے لگیں اور اس کا کام چل نکلا۔

ایک دن اتفاق سے امیر یوستیانوس سلطنت بازنطین کا ولی عہد، اس کی دوکان پر آیا اور دیکھتے ہی فریفتہ ہوگیا۔ ہر چند اسکی نسبت شاہی خاندان کی ایک خوبصورت لڑکی سے ہو چکی تھی، لیکن اس نے مطلق پروانہ کی اور ارادہ کر لیا کہ وہ تھیوڈورا ہی سے شادی کرے گا۔

اُسوقت بازنطینی حکومت کا بھی قانون یہی تھا کہ شاہی خون میں عوام کا خون نہیں مل سکتا اور ایک بادشاہ یا ولی عہد، سوائے شاہی خاندان کے کہیں اور شادی نہ کر سکتا تھا، چہ جائیکہ تھیوڈورا ایسی عورت سے جس کا ماضی اس قدر شرمناک و گندہ تھا۔ اس لئے جب امراء کو ولی عہد کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے سخت مخالفت کی، لیکن اس نے کسی کی نہ سُنی اور کہا کہ قانون ہمیشہ بدلتا ہی رہتا ہے اور اسے بدلنا چاہئے۔ چنانچہ میں اس کو بدلتا ہوں اور نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام امراء کے لئے یہ قانون بنائے دیتا ہوں کہ وہ شادی کے باب میں بالکل آزاد ہیں اور جس عورت کو چاہیں اپنے عقد میں لا سکتے ہیں اور — اس کے چند دن بعد ہی جب یہ تخت نشین ہوا تو تھیوڈورا ملکہ کی حیثیت سے اس کے پہلو میں تھی!

تھیوڈورا کی زندگی کا یہ وہ انقلاب تھا جس پر اس کو مطمئن ہو جانا چاہئے تھا، لیکن چونکہ قدرتاً وہ بڑی متلون مزاج واقع ہوئی تھی، اسلئے وہ بادشاہ کی آغوش، محلوں کی یکساں زندگی اور دولت و امارت کی لذتوں سے بہت جلد آسودہ ہوگئی اور اس کو اپنی پچھلی غیر ذمہ دار آزاد زندگی کی تمام باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام عشاق کو محل میں چھپ چھپ کر بلانا شروع کیا اور قصر شاہی میں وہ سب کچھ ہونے لگا جو ابتک نہ ہوا تھا۔ انھیں میں ایک میکائیل بھی تھا جس سے ملکہ بہت مالوف تھی۔

اس کا چھوٹا بھائی بھی چھپ چھپ کر ملکہ سے ملتا تھا، لیکن کچھ ایسے اوقات اس نے مقرر کئے تھے کہ دونوں عرصہ تک بیخبر رہے کہ وہ ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔ اتفاق سے ایک دن چھوٹے بھائی کو اس کا علم ہوگیا اور اس نے ملکہ سے کہدیا کہ اگر میرا بھائی بھی یہاں آیا تو میں بادشاہ کو خبر کر دوں گا۔

اس واقعہ سے ملکہ بہت گھبرائی اور اس نے سوچا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو ختم ہو جانا چاہئے۔

میکائیل کو ملے ہوئے دو دن ہو چکے تھے۔ ملکہ اسی کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جہاں وہ میکائیل سے ملی تھی اور کچھ سوچ رہی تھی کہ دفعتاً خادمہ آئی اور پھر اس نے چپکے سے اس کے کان میں "میکائیل" کا نام لیا۔

ملکہ یہ نام سنکر مسکرائی اور بولی "کون میکائیل، بڑا؟ ہاں، ہاں، اسے بلاؤ میں اس کی منتظر ہی تھی"۔

میکائیل اندر داخل ہوا، اس حال میں کہ اس کی چتون سے اطمینان ٹپک رہا تھا اور آنکھوں سے شراب شوق! — اس نے آتے ہی وہ خبر سنائی جس کے سننے کے لئے ملکہ بیتاب تھی۔

ملکہ نے پوچھا — "کیا واقعی تم نے اسے قتل کر دیا" — اس نے جواب دیا کہ "ہاں" — ملکہ نے پوچھا کہ: "اسکی لاش کیا کی" بولا کہ: "سمندر کی مچھلیوں کے سپرد کر آیا"

ملکہ نے یہ سنکر اپنی گردن اس کے سینہ پر رکھدی اور اپنے لب اس کے لب سے قریب تر کر دئے۔ یہ ملاقاتیں ان دونوں میں اس سے پہلے

بھی ہوئی تھیں، لیکن جو حرارت و لذت وہ اب محسوس کر رہے تھے اس سے قبل کبھی میسر نہ آئی تھی۔ لیکن ٹھیک اسی وقت جبکہ دونوں انتہائی شوق و مسرت کے عالم میں ایک دوسرے سے ہمکنار تھے، ملکہ کو میکائیل کے ہاتھ پر سرخ دھبا نظر آیا۔ اس نے غور سے دوسرے ہاتھ کو دیکھا گردن کی طرف نگاہ کی، چہرہ پر نظر دوڑائی تو ہر جگہ اس کو خون کے دھبے نظر آئے۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ دھبے اس کے بھائی کے خون کے ہیں اور اسکی حالت میں عجیب قسم کا ردّ عمل شروع ہوگیا۔

اب یہ وہ تھیوڈورا نہ تھی جو صرف جسم کی حرارتوں سے کھیلا کرتی تھی، جو صرف خون کی گرمی سے پیدا ہونے والے جذبات کو تسکین پہونچانا ہی حاصل زندگی جانتی تھی، بلکہ وہ تھیوڈورا تھی جو اس سے پہلے بھی ایکبار لڑکی پیدا ہونے کے بعد اپنے ضمیر کے وجود کا پتہ دے چکی تھی —— اس میں شک نہیں اس سے قبل وہ بہت سے گناہ کر چکی تھی، لہو و لعب، عیش و سرشاری کی کوئی امکانی صورت ایسی نہ تھی جو اس نے اختیار نہ کی ہو، لیکن یہ اُسے آج ہی معلوم ہوا کہ اس نوش میں نیش بھی ہے، اس نشہ میں خمار بھی ہے اور جب اس کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو پھر زندگی کی کوئی لذت، لذت نہیں رہتی۔

وہ تھوڑی دیر خاموش بیٹھی رہی اور پھر حجرۂ عیش سے اُٹھکر باہر چلی گئی۔

کامل چھ ماہ سے باسفورس کے ساحل پر ایک عالیشان عمارت طیار ہو رہی ہے۔ یہ عمارت گویا یادگار ہے تھیوڈورا کے اُس عہد کی جو اس نے اپنی آیندہ زندگی کو سنوارنے کے متعلق کیا تھا۔

یہ عمارت صرف اس لئے طیار کی گئی تھی کہ ملک کی تمام وہ عورتیں جو تھیوڈورا ہی کی طرح شرمناک زندگی بسر کرکے تائب ہو چکی تھیں، یہاں امن و سکون اور تقدس و پاکیزگی کی زندگی بسر کریں۔ اس تعمیر میں پانسو کمرے تھے اور وہ دن تھیوڈورا کی انتہائی مسرت کا تھا جب یہ تمام کمرے تائب عورتوں سے آباد ہو گئے۔

بادشاہ یوستیانوس نے ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک ۳۸ سال حکومت کی لیکن اس کو آخر وقت تک معلوم نہ ہو سکا کہ اسکی ملکہ (تھیوڈورا) نے یہ عمارت کیوں طیار کرائی تھی اور یہ راز اس وقت کھلا جب تھیوڈورا کی وفات کے بعد خود میکائیل نے یہ داستان لوگوں کو سنائی۔

چند بہترین کتابیں

نغمات ماہر: شاعر حیات ماہر القادری کا تازہ مجموعہ کلام۔ رومانیت و واقعیت کا دلنواز مرکب، انسانی ذہن و روح کے لئے فکر و نشاط کا جدید پیمانہ۔ قیمت صرف تین روپیہ مجلد۔

محسوسات ماہر: ماہر القادری کا پہلا مجموعہ کلام جس کا پہلا اڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا۔ یہ دوسرا اڈیشن ہے۔ قیمت دو روپیہ بارہ آنہ مجلد

محمد علی: رئیس الاحرار کے حالات زندگی اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا قلم۔ قیمت دو روپیہ بارہ آنہ

مضامین عبدالماجد دریابادی: مولانا کے اُن ادبی جواہر پاروں کا مجموعہ جس کا مدت سے انتظار تھا۔ قیمت صرف تین روپیہ چار آنہ

مُردوں کی مسیحائی: مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے عشق نبی صلعم میں ڈوب کر لکھے ہوئے مقالات سیرت۔ قیمت تین روپیہ چار آنہ صرف

تعین وعمل: دنیا کی موجودہ بے چینی کا حل صدر جمعیت فلاسفہ لندن کے قلم سے۔ قیمت دو روپیہ چار آنہ

ملنے کا پتہ: **محمد اقبال سلیم گاہندری - مہتمم ادارۂ اشاعت اُردو**

عابد روڈ۔ حیدر آباد (دکن)

مکتوبات نیاز

مکرمی - یہ بالکل درست ہے کہ "ہر وہ بات جو مشہور ہو جائے صحیح نہیں ہوتی" اور ہماری انفرادی غلطیوں کا اجتماعی صورت اختیار کر لینا اس میں شک نہیں بڑی افسوسناک بات ہے - آج خدا جانے کتنے مقدس مزار ایسے ہیں، جن میں آج تک کوئی دفن ہی نہیں کیا گیا اور تاریخ کی کتنی مشہور ہستیاں ایسی ہیں جو کبھی پیدا ہی نہ ہوئی تھیں - پھر اگر شاعری کی دنیا میں بھی یہ اندھیر نظر آئے، تو حیرت کی کیا بات ہے -

اس میں شک نہیں کہ جرأت پر صرف بازاری شاعر ہونے کا الزام یقیناً غلط ہے اور اس کے ثبوت میں جس قسم کے اشعار پیش کئے جاتے ہیں اُن سے زیادہ عریاں میر کے یہاں بھی ہیں مگر میر کو کوئی کچھ نہیں کہتا -

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس بدنامی کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب دربار داری کے سلسلہ میں انشاؔ و جرأت کے دو اکھاڑے لکھنؤ میں قایم ہو گئے تھے اور ہر فریق دوسرے کو ذلیل کرنے کے لئے گندگی اُچھال رہا تھا - اسی مسخرہ پن نے انشاؔ کو اس کے اصلی مرتبہ تک پہونچنے سے روکا اور جرأت کو بدنام کیا - لوگ جرأت و انشاؔ کا مقابلہ کرنے میں انشاؔ کو ترجیح دیتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہجو و طنز کے لحاظ سے یہ فیصلہ صحیح ہو، لیکن غزل گوئی کے لحاظ سے اُس کو جرأت سے کوئی نسبت نہ تھی -

اول تو انشاؔ کا سرمایۂ تغزل بہت کم ہے اور جو ہے بھی اس میں بہت کم اشعار قابل انتخاب نظر آتے ہیں - برخلاف اس کے جرأت کے دو اوین کی تعداد نو بتائی جاتی ہے اور ان میں اتنے اچھے اشعار پائے جاتے ہیں کہ سخت انتخاب کے بعد بھی دیوان انشاؔ سے کئی گنا زیادہ اس کا حجم ہوتا ہے -

یہ صحیح ہے کہ جرأت کے یہاں شوخی و عریانی بھی پائی جاتی ہے اور انھوں نے معاملات حُسن و عشق کے بیان میں ادنیٰ قسم کے شہوانی و جنسی جذبات سے بھی کام لیا ہے - لیکن یہ غالباً جرأت کا اصلی رنگ نہ تھا اور صرف اُس عارضی ماحول کا نتیجہ تھا جو لکھنؤ کے قیام کے زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا -

میرے پاس تو اس کے دو اوین نہیں ہیں، اگر آپ کے پاس ہوں تو تمام وہ اشعار جنھیں عریاں کہا جا سکتا ہے چھانٹ لیجئے اور مجھے بتایئے کتنے ہیں - میں سمجھتا ہوں کہ زیادہ سے زیادہ سو دو سو ہوں گے، برخلاف اس کے دوسرے رنگ کے اشعار جن میں میر کا سوز و گداز بھی پایا جاتا ہے بہت زیادہ تعداد میں نظر آئیں گے -

حیرت کی بات ہے کہ جرأت کے ان اشعار کا ذکر تو ہر جگہ ہے :-

دیکھوں تو یوں وہ کہکے لگے منھ کو ڈھانپنے — کمبخت پھر لگا مجھے نظروں میں بھانپنے

یاد آتا ہے تو کیا پھرتا ہوں گھبرایا ہوا — چمپئی رنگ، اس کا اور جوبن وہ گدرایا ہوا

لیکن ان شعروں کا ذکر کوئی نہیں کرتا :-

ترے بن دیکھے جرأت کی یہ حالت ہو گئی غم سے — کہ اپنے سے تو اُس کو بھر نظر دیکھا نہیں جاتا

کیا طبیعت ہے اُداس اب، سچ ہے لے جرأت یہ بات — جی کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ہے

ابتو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی — میری بیتابی جو اُس بیدرد کو بھانے لگی

یہ نہ کہہ یاد آئی کس کی، جو کلیجہ پر مرے — سانس کے لینے میں اک برچھی سی لگ جانے لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیونکر — جس کو پایا ہو جان کھو کھو کے

کل جو بیٹھا پاس میں یکجا ترے ہمنام کے — رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجہ تھام کے

نہ کوئی ہے دوست، نہ مہرباں: نہ شفیق ہے نہ رفیق یاں — کریں کس سے ہم غم دل بیاں جو سخن کے تھے شنوا، گئے

مجھے جرأت اب نہیں کچھ خبر، گئے عقل و ہوش و خرد کدھر — یہ مرے پیامبر آن کر مجھے کیا پیام سنا گئے

جب تلک کرتے رہے مذکور اس کا مجھ سے لوگ — جی میں کچھ سوچا کیا میں اور دل دھڑکا کیا

قفس میں ہمصفیرو کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ — بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا

کیا اس عشق کی وحشت نے کیا دیوانہ جرأت کو — عجب احوال ہم دیکھا ہے کل اس خانہ ویراں کا

واں سے آیا ہے جواب خط، کوئی سنیو ذرا — میں نہیں ہوں آپ میں مجھ سے نہ سمجھا جائے گا

شکر تم آ گئے گھر اس کے، نہیں جرأت نے — سر اٹھا کر ابھی دیوار سے مارا ہوتا

آج اس کوچہ میں کیا جا کے تو سن آیا ہے — جرأت ایسا تو کبھی آگے تو خاموش نہ تھا

آج کی رات کٹے دیکھئے کس شکل سے آہ، — اس نے پھر وعدۂ دیدار سحر پر رکھا

ناصحو آپ میں جرأت نہ رہا — اب سمجھ کر اسے سمجھائیے گا

اپنے پہلو سے وہ جب اٹھ کے چلا اے جرأت — اس کا منھ دیکھ کے بس رہ گئے مجبور سے ہم

ہے وقت خوش انھوں کا کیا لطف ہمدگر ہیں — دل جن کے مل رہے ہیں اور پاس پاس گھر ہیں

جرأت کے بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ میر کے رنگ کا دلدادہ تھا اور اسی رنگ میں شعر کہنا کمال تغزل جانتا تھا چنانچہ ایک غزل میں کہتا ہے:

جرأت، جواب میر تو ایسا ہی کہہ کہ اب — چاروں طرف سے شور سنے واہ واہ کا

اور پھر اسی زمین میں دوسری غزل کہہ کر اسے یوں ختم کرتا ہے:

آوارہ دربدر ہوں میں جرأت، بقولِ میر — "خانہ خراب ہو جیو اس دل کی چاہ کا"

اگر اسی سلسلہ میں آپ اس کے اُستاد حسرت کو بھی لے لیں تو کیا کہنا! اس غریب کو بھی لوگوں نے پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ جرأت سے کہیں زیادہ پختہ کہنے والا تھا۔ اس کے بھی شاید دو دیوان تھے لیکن اب وہ بھی نہیں ملتے۔

ذکر آگیا ہے تو چند اشعار سن لیجئے:

خدا حافظ ہے کیوں محفل میں اس کا نام آیا تھا — تڑپنے سے ابھی دل کو مرے آرام آیا تھا

اسی زمین کا ایک شعر سنئے، کیا قیامت ہے:

بہاریں ہم کو بھولیں یاد ہے اتنا کہ گلشن میں — گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

اے دل اگر تڑپنا تیرا یہی رہے گا — کاہے کو تو جئے گا، کاہے کو جی رہے گا

رہنے دے مے کو ساقی ہم تو چلے یہاں سے — قسمت میں جس کے ہوگا سو جام پی رہے گا

بھولتا ہی نہیں وہ، دل سے اُسے — ہم نے سو سو طرح بھلا دیکھا

ٹپکنے دے مجھے سر اُس کے آستانے سے — خبر کر دوں ہوں میں اپنی اسی بہانے سے

سراغ پوچھوں میں کیا اشک و آہ کا دل سے — کہ اس دیار سے ہو کتنے قافلے نکلے،

جگر کے زخموں کو جانے تھا بھر چلے حسرت ——— خراش ناخن غم سے وہ سب چھلے نکلے
آخر ترے غم میں مر گئے ہم ——— بھرنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
تیرا تو تب اعتبار کیجئے ——— جب ہوئے کچھ اعتبار اپنا

ہر چند یہ زمانہ اب غزلوں پر سر دھننے کا نہیں ہے، لیکن ہم آپ اس زمانہ کے ہیں کب ؟ ہم آپ تو جب مل بیٹھیں گے ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کریں گے، اوروں کے لئے نہیں، اپنے لئے۔ جب کوئی غیر اس صحبت میں آجائے گا تو اسوقت دیکھا جائیگا سنبھل بیٹھیں گے۔ ایک لطیفہ یاد آگیا، سن لیجئے، "دوسر پھرے آپس میں بیٹھے ہوئے نہایت مزے کی بہکی بہکی باتیں کر رہے تھے کہ ایک تیسرا شخص اور آتا ہوئے دکھائی دیا، جو ان کے ذوق وصحبت کا نہ تھا۔ انھوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور بولے کہ۔ "آؤ اب سمجھ کر باتیں کریں، ایک بیوقوف آرہا ہے"

مزاجی — آپ تو خیر اچھے ہئی، لیکن یقین کیجئے میں بھی بہت اچھا آدمی ہوں — آپ کہیں گے "اچھا" کسے کہتے ہیں، میں پوچھوں گا "آدمی کیسا ہوتا ہے" آپ جواب دیں گے "آدمی ایسا، جیسا میں"۔ میں کہوں گا "اچھا بھی ویسا ہی جیسا میں!"— مدعا یہ کہ آپ جس اُلجھن میں گرفتار ہیں وہ نہ منطق سے دور ہوسکتی ہے اور نہ تحریر وگفتگو سے۔ اسلئے حرج نہ ہو تو چند دن کے لئے چلے آئیے اور خود مجھے دیکھ کر، سمجھ کر فیصلہ کیجئے کہ میں واقعی اچھا ہوں یا بُرا، لیکن یہ ابھی سے عرض کئے دیتا ہوں کہ اگر مطالعہ کے بعد آپ نے مجھے اچھا نہ سمجھا، تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا!

سنئے، میں آپ کو خود بتائے دیتا ہوں کہ مجھ میں کیا کیا بُرائیاں ہیں (بھلائی صرف ایک ہوتی ہے، اس لئے اُس کے شمار کی ضرورت نہیں) — سب سے پہلی بُرائی تو یہ ہے کہ میں انسان کو دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہوں کہ یہ واقعی انسان ہے یا نہیں اور اگر کسی کے غیر انسان ہونے کا فیصلہ کرلیتا ہوں تو پھر کھُلی ہوئی بداخلاقی بھی مجھ سے بعید نہیں،

انسان کا معیار میرے یہاں نہ صورت وشکل سے متعلق ہے نہ علم وفضل سے بلکہ صرف اس امر سے کہ وہ اپنی سیرت و فطرت کے لحاظ سے قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ دوسرا عیب مجھ میں یہ ہے کہ گفتگو میں شائستگی کو ضروری سمجھتا ہوں، اور انتہائی بے تکلفی میں بھی نہ تم سے خطاب کرتا ہوں نہ سننا چاہتا ہوں، تیسری بُرائی یہ ہے کہ باوجود میلانِ اشتراکیت کے "فرق مراتب" کو ضروری قرار دیتا ہوں، چوتھی بُرائی یہ ہے کہ بلیدا حساس والے انسان سے ملنا میں کبھی پسند نہیں کرتا یعنی اگر کوئی شخص میری نگاہوں سے یہ نہیں سمجھ سکتا کہ میں کیا چاہتا ہوں، تو پھر میں بھی اس کے لئے پتھر کا بُت بن جاتا ہوں۔ پانچواں عیب یہ ہے کہ جب کوئی شخص میرے پاس بیٹھ کر سگریٹ، سگار یا حقہ پیتا ہے درانحالیکہ اسے یہ علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے سخت نفرت ہے (بیڑی پینے والوں کا تو خیر کوئی ذکر ہی نہیں کہ ان کا شمار تو میں انسانوں میں کرتا ہی نہیں) تو مجھے وہ شخص بُرا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی میرے دفتر یا مکان میں کوڑا پھیلائے یا چیزوں میں بدترتیبی پیدا کر دے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ اس سے مجھ سے نہیں نبھے گی۔

اگر آپ کہیں کہ یہ تو سب خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، تو پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری ذات بے عیب ہے —
گو خدا نہیں ہوں میں

یاد رکھئے

کہ اگر کسی مہینہ میں نگار آپ کو نہ ملے تو اس مہینہ کے اندر ہی اطلاع دینے سے دوبارہ مفت ملسکتا ہے، ورنہ اسکے بعد آٹھ آنے ادا کرنا پڑیں گے۔ منیجر نگار

ریڈیائی پروپاگنڈا کی دشواریاں

"اورینٹ" میں ایک مختصر سا نیم مزاحیہ مقالہ، "مکالمہ" کی صورت میں شایع ہوا ہے جس سے ریڈیو دانوں "ریڈیو" کی حرکت و عمل اور اس کی بعض مشکلات کا پتہ چلتا ہے۔

اس مکالمہ میں دکھایا گیا ہے کہ ہنگامی و مقامی تقریروں کے لئے جو وقتی مسایل پر چند منٹ کے لئے کی جاتی ہیں، بعض اوقات کیا اُلجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں اور بجائے "Topical talk" کے اکثر و بیشتر "گراموفون ریکارڈ" سنائے جانے کا سبب کیا ہوا کرتا ہے۔

مجدد نیازی

اسٹیشن ڈائرکٹر — "ہیلو، میں ہوں - اس - ڈی — کیا آپ مسٹر بوس ہیں"

——— "ہاں، میں بوس ہوں، فرمایئے - کوئی خدمت میرے قابل ؟"

اس - ڈی — "وہ — دیکھیئے — بات یہ ہے کہ اس ہفتہ کی ٹاپکل تقریر کے لئے ہم ابھی تک کوئی مقرر حاصل نہیں کر سکے، کیا آپ تکلیف فرما کر ۷ کی شام کو چند منٹ دے سکیں گے ؟

——— "ہاں، میں اس تاریخ میں خالی ہوں اور اپنا وقت دے سکوں گا — لیکن کیا کوئی خاص موضوع آپ کے سامنے ہے؟"

——— "ہاں، ہاں، مثلاً تعلیم !"

——— "بیشک، یہ موضوع بہت مناسب ہے، آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آج کل یہی خدمت انجام دے رہا ہوں"

——— "جی ہاں، اسی لئے تو میرا خیال سب سے پہلے آپ کی طرف منتقل ہوا، لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو کچھ باتیں اشارتاً آپ کو بتا دوں، آپ جانتے ہی ہیں کہ ہمارے محکمہ میں ہر کام کی نوعیت خاص قسم کی ہوتی ہے اور ہاں، اس سے آپ کو تقریر کی طیاری میں آسانی بھی ہو جائے گی"

——— "ضرور، ضرور، میں ہم تن توجہ ہوں، فرمایئے"

——— "مسٹر بوس، آپ جانتے ہی ہیں کہ اس طرح کی وقتی و مقامی تقریروں میں زیادہ قابلیت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف ہلکی ہلکی باتیں چاہئے جس سے عام لوگوں کو دلچسپی ———"

——— "میں جانتا ہوں، اس قسم کی تقریروں کو مشکل نہ ہونا چاہئے - لیکن تعلیم کا مسئلہ تو آج کل بہت دلچسپ ہے، خاصکر ایسی حالت میں کہ دشمن کی بمباری کے خوف سے اسکولوں کے بند کرنے یا نہ کرنے، بچوں کو شہر سے باہر بھیجنے یا نہ بھیجنے پر ہر جگہ گفتگو ہو رہی ہے"

——— "لیکن اس طرح کی بات چیت میں اندیشہ ہے کہ دشمن کو ہماری پریشانیوں کا علم ہو جائے گا"

——— "خوب، کیا دشمن کو معلوم نہیں کہ وہ بنگال پر بمباری کرتا رہتا ہے"

——— "جانتا کیوں نہیں، لیکن ہم خود اپنی طرف سے اس کو کیوں بتائیں - علاوہ اس کے ہو سکتا ہے کہ اسے ان باتوں کا علم بھی نہ ہو، کیونکہ بمباری رات ہی کو ہوتی ہے اور ہم اس کے بمباروں کو اس قابل ہی نہیں رکھتے کہ وہ لوٹ کر کچھ حال بیان کر سکیں"

——— "مگر یہ تو دیکھئے کہ جب جرمنی نے انگلستان پر بمباری شروع کی، تو عام مدارس بند کر دئے گئے اور اس کو چھپایا بھی نہیں گیا، اس لئے اگر ایسی صورت میں ہم بھی یہ مطالبہ کریں کہ ملک کے بچوں کی تعلیم کا انتظام خطرہ کی جگہ سے دور کہیں اور ہونا چاہئے تو کیا حرج ہے۔"

——— "لیکن ہم دشمن کو جاننے ہی کیوں دیں کہ ہم خطرہ کو محسوس کر رہے ہیں"

——— "اچھا اگر بمباری کا ذکر کئے بغیر، یہی کہدیا جائے کہ والدین بلاوجہ گھبرا کر، اپنے بچوں کو کلکتہ سے باہر بھیج رہے ہیں تو کیا حرج ہے"

——— "نہیں، مسٹر بوس، اس مسئلہ پر اشارتاً و کنایتاً بھی کوئی بات ایسی نہ کہنا چاہئے۔ جس سے دشمن کو معلوم ہو سکے کہ ہمارے یہاں کوئی صورت بدامنی یا اضطراب کی پیدا ہے۔"

——— "اچھا اسے چھوڑئے، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ پٹرول راشننگ کی وجہ سے زنانہ سنٹرل اسکول کی اسکیم چلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیا حرج ہے اگر اس پر اظہار خیال کیا جائے۔"

——— "اس میں بھی وہی اندیشہ ہے"

——— "کیا"

——— "یعنی دشمن کو ہمارے یہاں کے پٹرول راشننگ کے متعلق کچھ باتیں ایسی معلوم ہو جائیں گی جو اسے نہ جاننا چاہئے"

——— "اچھا تو پھر کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طلبہ کے تعلیم میں جو حرج واقع ہو رہا ہے، اس پر تقریر کرنے دیجئے۔"

——— "اوہ، مسٹر بوس، میں کسی طرح آپ کو اپنا نقطۂ نظر سمجھاؤں، بڑی مشکل ہے، آپ جس مسئلہ کو لیتے ہیں، اس میں کوئی نہ کوئی نہ کوئی بات خلش کی ضرور ہوتی ہے، کیا مسئلۂ تعلیم کے متعلق آپ کوئی بات ایسی نہیں کہہ سکتے، جس کا اس جنگ سے دور کا بھی تعلق نہ ہو۔"

——— "سنئے، جناب، جب تک جنگ جاری ہے، جنگ کے خیال سے خالی ہو کر ہم کسی مسئلہ پر گفتگو کر ہی نہیں سکتے اور اگر آپ کے خون کا یہی عالم ہے تو پھر تعلیم کیا، دنیا کے کسی موضوع پر بھی کوئی شخص تقریر نہیں کر سکتا۔ افسوس ہے کہ میں تعمیل ارشاد سے قاصر رہوں گا۔ آپ اپنے ڈھب کا کوئی اور مقرر تلاش کر لیجئے۔"

ٹیلیفون رکھنے کی آواز۔

اس۔ ڈی۔ (کسی اور سے مخاطب ہو کر)۔ گھوش، اب اتنا وقت نہیں ہے کہ کوئی اور مقرر ڈھونڈا جائے، اس لئے اگر کچھ نئے ریکارڈ آئے ہوں تو انھیں کو بجا دو۔"

حضرت نیاز فتحپوری کی زیر ترتیب تصانیف

(۱) **مکتوبات نیاز دوسرا حصہ** — یہ حصہ بھی پہلے حصہ کے برابر ضخیم ہوگا اور اس میں اکثر حصہ اُن مکاتیب پر مشتمل ہے جن میں انھوں نے اپنے خاص انداز میں مختلف شعراء کے کلام اور دیگر ادبی مسایل پر اظہار رائے کیا ہے۔

(۲) **انتقادیات** — یہ مجموعہ ہوگا اُن تمام مقالات کا جن میں ملک کے بعض مشہور شعراء کے کلام پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے۔

(۳) **مذہبیات** — اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے وہ تمام مقالات ہوں گے جن میں مذہب و معتقدات مذاہب پر نقد کیا گیا ہے۔

(۴) **حکمیات** — اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے وہ تمام مقالات شامل ہیں جن میں بعض اہم تاریخی اور علمی مسایل پر بحث کیگئی ہے

منیجر نگار

باب الاستفسار

ہندو مسلم اتحاد

(جناب سلیمان اریب - حیدر آباد)

ہندوستان میں ہندو اور مسلمان ایک ہو سکتے ہیں یا نہیں - غالباً آپ کے نزدیک یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا نہ اُٹھانا ہی بہتر ہے - میرا اپنا بھی یہی خیال ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے - تاہم میری دلی تمنا ہے کہ ہندو مسلمان ایک ہو جائیں، ایک ہو کر رہیں اور ایک رہکر مریں -

---

(نگار) اس سوال کا اُٹھانا بہتر ہو یا نہ ہو، مگر اُٹھانا ہی پڑے گا، آج نہیں تو کل، اور اس کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو کر رہے گا خواہ وہ فیصلہ اچھا ہو یا بُرا -

ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ خوشگوار بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہندو مسلمان ایک ہو کر رہیں، لیکن یہ شاید اتنی خوشگوار بات ہے کہ اس کا پورا ہونا آسان نہیں — اور اس کے پورا نہ ہونے سے ہندوؤں کا اتنا نقصان نہیں ہے جتنا مسلمانوں کا — ہندو اسے سمجھتا ہے لیکن مسلمان! نہ سمجھتا ہے نہ سمجھنا چاہتا ہے -

اب یہ بات اس حد سے گزر گئی ہے کہ اس نزاع کی تاریخ یا اس کے ماخذ و منشاء سے گفتگو کی جائے — موجودہ صورت حال سے بحث البتہ ناگزیر ہے کہ اسی کے سمجھنے پر اس نزاع کے دور ہونے کا امکان ہے، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اب کام اس سے بھی چلتا نظر نہیں آتا، کیونکہ جس چیز کو سبب بتایا جاتا ہے، وہی اصل مدعائے حیات قرار پا گیا ہے اور ہندو مسلمانوں میں سے کوئی اس کے ترک پر آمادہ نہیں - مثلاً آپ کلچر کو لیجئے کہ لوگ کہتے ہیں دراصل یہی اختلاف بنیاد ہے تمام نزاع کی، لیکن آج ہندو بھی اسی کے بقاء کو قومی بقا سمجھتا ہے اور مسلمان بھی اسی کو اپنی حیات ملی سے تعبیر کرتا ہے! درانحالیکہ جس حد تک محض کلچر کا تعلق ہے، آپس میں لڑنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اگر ایک شخص خاص وضع و معاشرت کا پابند ہے اور اپنے اظہار خیال کے لئے خاص زبان، خاص لب و لہجہ استعمال کرتا ہے تو دوسرا شخص جسکی طرز معاشرت ان باتوں سے مختلف ہے، کیوں برہم ہو -

میں نے جہاں تک غور کیا ہے کلچر کا اختلاف اصل سبب نزاع کا نہیں ہے، بلکہ اس کی تہ میں کوئی اور راز پوشیدہ ہے، جس نے دونوں قوموں کو ایک دوسرے سے متنفر کر دیا ہے اور جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا - اسوقت کے اُصول آزادی کو دیکھ عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ آیندہ نظام عالم کی بنیاد قومی آزادی پر قایم ہوگی اس لئے قومیت کے احساس ہی نے ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے - یہ بھی ایک حد تک صحیح ہے، لیکن کیا ایک ملک کی رہنے والی دو جماعتیں، جن کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے، واحد قومیت کا احساس اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتیں - روس کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، جہاں خدا جانے کتنی مختلف نسلیں اور تہذیبیں ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کر رہی ہیں — اس سے اختلاف ہے کہ دنیا کا نیا نظام قومیت کے احساس پر استوار ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تعمیر جغرافیۂ طبیعی پر قایم ہوگی اور آیندہ دور وطنیت کا دور ہوگا یعنی اگر ایک ہی ملک کے اندر مختلف تمام و مزاج کی قومیں پائی جاتی ہیں تو انھیں رشتۂ وطنیت سے اپنے آپ کو

وابستہ کرنا ہوگا۔

قومیت کا تجربہ اسوقت تک کامیاب ثابت نہیں ہوا اور نہ آیندہ اس کا امکان ہے کیونکہ قومیت کا احساس روایات پر قایم ہوتا ہے اور تاریخی روایات آپس کی نزاعات اور جذبۂ انتقام کو اور زیادہ قوی بنادیتی ہیں۔ اگر آج مسلمان پاکستان پر اصرار کر رہا ہے تو صرف اس لئے کہ اُسکی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کسی وقت ہندوستان پر حکومت کرتا تھا، اگر آج ہندو یہاں ہندو راج کے خواہشمند ہیں تو محض اس لئے کہ ان کی تاریخ سے بھی یہاں کسی وقت عظیم الشان ہندو راج کے قیام کا پتہ چلتا ہے۔ یوروپ کی موجودہ جنگ کا اصل سبب آپ دریافت کریں گے تو اس کا سراغ بھی تاریخ ہی میں ملیگا۔ جرمنی کا باشندہ تاریخ ہی سے ثابت کرتا ہے کہ اس کی قوم ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے اور مسولینی نے عظمتِ رومہ کی تاریخ ہی پر فسطائیت کی بنیاد رکھی ہے۔ ہندوستان میں ہندو مسلم نزاع کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حکومت نے تاریخ کی جو کتابیں اسکولوں میں جاری کی ہیں، ان میں اکثر واقعات ایسے درج کئے ہیں جو آپس کے تعلقات کو ناخوشگوار بنا دینے والے ہیں۔ بہرحال اس سے انکار ممکن نہیں کہ قومی احساس چونکہ روایتی احساس ہے، اس لئے اس پر دُنیا کے امن وسکون کی بنیاد کبھی قایم نہیں ہوسکتی اور یہ مقصود صرف اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ دنیا اپنی تاریخ اور اپنے ماضی کو بھلادے۔

اگر آج تاریخ کی ساری کتابیں دریا بُرد کردیجائیں اور آیندہ کے لئے تمام تاریخی اذکار حکماً بند ہوجائیں، تو ۵۰ سال بعد کی دنیا بالکل نئی دنیا ہوگی، جس کا ماضی بالکل محو ہوچکا ہوگا نہ ہندو کو یہ پتہ چلیگا کہ محمود غزنوی اور اورنگ زیب نے مندر توڑے اور نہ مسلمان کو یہ علم ہوگا کہ اس کے اسلاف نے ہندوؤں پر حکومت کی۔ اس کا احساس صرف حال سے متعلق ہوگا یا اُس مستقبل سے جو ماضی سے بالکل بے نیاز ہے۔

میں نے ابھی ابھی یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ ہندو مسلم نزاع کا تعلق کلچر کے اختلاف سے نہیں بلکہ کسی اور چیز سے ہے اور یہ "اور چیز" مذہب ہے۔ مسلمان کے ذہن میں یہ بات مرتسم ہوچکی ہے کہ ساری دُنیا میں خدا کا برگزیدہ بندہ صرف وہی ہے اور اس کے علاوہ جتنے انسان ہیں وہ سب گمراہ ہیں، ناپاک ہیں، دوزخی ہیں اور خدا ان سب سے ناخوش ہے، وہ اپنے، وہ اپنے سوا سب کو کافر کہتا ہے، جس کے مفہوم میں وہ تمام بُرائیاں شامل ہیں جو کسی انسان میں پائی جاسکتی ہیں، ہندو اس کے جواب میں اُسے "ملکش" کہتا ہے اور اس لفظ کا مفہوم بھی کافر سے کم تلخ نہیں پھر ظاہر ہے کہ جن دو قوموں کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا جذبہ جو خداؤں کی دو مختلف تعبیروں سے وابستہ ہو، وہ محض "انسانیت" کو سامنے رکھ کر صلح و آشتی کی تدبیریں کیونکر سوچ سکتی ہیں، وہ اپنے انسان ہونے کے احساس کو خدا کے احساس میں کھوچکی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ احساس انسان کو کبھی انسان نہیں بنا سکتا۔

مذاہب کا پس منظر چونکہ اس دُنیا سے بالکل علیٰحدہ ہوتا ہے اور مذہبی انسان چونکہ ہمیشہ ایک ایسے عالم کا خواب دیکھا کرتا ہے جو ہماری اس دُنیا سے یکسر مختلف ہے، اس لئے اُسے یہاں کے معاملات سے کبھی کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوتی۔ اگر وہ تکلیف میں ہے تو یہ سمجھ کر اپنی تسلی کرلیتا ہے کہ دنیا چند روزہ ہے اور اس کی تکلیف بھی عارضی، اگر وہ راحت میں ہے تو ساری عمر اس دغدغہ میں کاٹ دیتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو اِس آرام کے بدلہ میں آخرت کا آرام کچھ کم ہوجائے۔ الغرض یہاں سے مسافرانہ گزر جانا چاہتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ خرابی یہ ہے کہ مذہب کا مسافر، اپنے ہمسفر لوگوں کے ساتھ نباہنا بھی نہیں چاہتا، اور وہ اپنی بے غرضانہ زندگی میں بھی اس قدر خودغرض واقع ہوا ہے کہ سوائے اپنے وہ کسی اور کو شریک سفر دیکھ ہی نہیں سکتا، گویا وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ مبادا کوئی اور اس کا حصہ چھین لے اور وہ محروم رہ جائے —— اس لئے اگر دُنیا کی تاریخ محو کردی گئی تو اسی کے ساتھ مذہب بھی محو ہوجائے گا اور "کارگاہ کفر و ایمان" بھی جو نزاع و اختلاف کی اصل بنیاد ہے۔

اس سلسلہ میں بعض حضرات کی زبان سے "مذہبی رواداری" کا ذکر بھی گاہ گاہ سننے میں آجاتا ہے، یعنی اگر ہندو مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مراسم مذہبی کا احترام کریں تو نزاع کم ہوسکتی ہے، یہ ایک حد تک درست ہے، لیکن مرض کا علاج نہیں، کیونکہ اس قسم کی رواداری اختلافات کی ظاہری سطح کو تو ہموار بنا سکتی ہے، لیکن دلوں کی نفرت کو دور نہیں کرسکتی۔ ایک مسلمان کیونکر اپنے دل سے یہ بات نکال سکتا ہے کہ ہندو نجس و ناپاک ہے اور ایک ہندو کیونکر اس شخص کا دوست ہوسکتا ہے جو گائے کا گوشت کھاتا اور بتوں کو بُرا سمجھتا ہے۔

الغرض باہمی اتحاد کی صورت صرف یہ ہے کہ دونوں مذہب و تاریخ سے دستبردار ہو جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کوئی تیسری انسانیت پرست قوت، جبراً و حکماً اس نظام کو فنا کر دے۔

اگر آج دنیا کی تمام عبادتگاہیں، جملہ مذہبی ادارے، زمین کے برابر کر دئے جائیں اور مذہب کا نام لینا بھی جرم قرار دیدیا جائے، تو بظاہر یہ بہت عجیب سی بات معلوم ہوگی اور دنیا اس کو انتہائی ظلم قرار دے گی۔ لیکن پچاس سال تک اس ظلم کو سہتے رہنے کے بعد دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی اس کا اندازہ بحالت موجودہ مشکل ہے۔ کیونکہ اسوقت تو ہمارے دماغ میں کسی ایسی "Human Nature" کا تصور ہی نہیں آسکتا۔

ہمارے یہاں اطمینان و سکون کا انتہائی تصور جنت سے وابستہ ہے اور اسکی صراحت یوں کیجاتی ہے کہ "کسے را با کسے کارے نباشد"۔ لیکن تاریخ و مذہب کے فنا ہونے کے بعد دنیا سکون کے جس دور سے گزرے گی وہ "ہر کس را با ہر کس کارے باشد" سے متعلق ہوگا۔

یہ تو ہوئی وہ حقیقی صورت اتحاد کی جس کے بعد پھر کسی اختلاف کی گنجایش نہیں رہتی، لیکن چونکہ اس کی بظاہر کوئی امید نہیں۔ اس لئے کوئی نہ کوئی صورت عارضی اتحاد کی پیدا کرنا پڑے گی، اور وہ صرف اس طرح ممکن ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک قوم اپنے آپ کو بالکل دوسرے کے سپرد کر دے، یقیناً یہ تجربہ بہت خطرناک ہے، لیکن اس خطرہ ہی سے اور راہیں ایسی پیدا ہوں گی، جو دونوں قوموں کے صحیح موقف کو متعین کر دیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ کمزور ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے گا اور قوی و کمزور کی نہ ختم ہونے والی جنگ سے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ کمزور قوی کے لئے جگہ چھوڑ دے اور خود ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

راز

کی بات

ہم میں سے کوئی بھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا، ہماری زندگی میں ایک دور وہ بھی آتا ہے، جب گناہ نہ کرنا گناہ ہوتا ہے، بعض لوگ طوفان کی اس رو کا مقابلہ نہیں کر پاتے، وہ عیش امروز میں فکر فردا کو فراموش کر دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا دل کمزور ہو جاتا ہے، آنکھیں دھنس جاتی ہیں، قوت ارادہ ضعیف ہو جاتی ہے، اعضاء رئیسہ جواب دیتے ہیں، وہ جوان ہوتے ہیں لیکن بوڑھوں سے بدتر، یہ زندگی اور اس کی بہار، ان کے لئے ایک بے معنی لفظ ہو جاتی ہے، کیف حیات اور جوش شباب سے وہ محروم ہو جاتے ہیں، یہ غلط کاری اور بے اعتدالی نہ صرف انھیں ناکارہ اور نکما بنا دیتی ہے، بلکہ ان کی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، ان کی عمر کم ہو جاتی ہے، اور وہ وقت سے پہلے آرزوؤں اور امیدوں کا پشتارہ لئے ہوئے قبر میں پہونچ جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ نکسول استعمال کرتے ہیں وہ ہمیشہ جوان رہتے ہیں، ان کا شباب سدا بہار ہوتا ہے۔ بڑی شیشی کی قیمت آٹھ روپے، چھوٹی بڑی شیشی کی قیمت آٹھ روپے۔ چھوٹی شیشی کی قیمت تین روپے چار آنے۔ صرف ایک بار تجربہ کیجئے۔

نیشن اینڈ ایلس

سول ڈسٹری بیوٹرس فار نکسول

پراسپکٹ چیمبرس انیکس، ہارنبی روڈ — فورٹ — بمبئی

نگارستان کا جدید اڈیشن

قیمت علاوہ محصول

نذر

(حسرت ترمذی)

یہ سچ ہے کہ تم ہو مری زندگانی — مگر زندگی کا بھروسا نہیں ہے
لالہ و یاسمن و گل کیا ہیں — آپ آئے ہیں بہار آئی ہے
روز تم بجلیاں گراتے ہو — روز اک طور خاک ہوتا ہے
غم کی دُنیا میں انقلاب نہ تھا — شام آئی تو پھر سحر نہ ہوئی!

کہنے کو ہزاروں باتیں تھیں، کیا کہئے کہنا بھول گئے — وہ آئے نہ تھے تو شکوا تھا، وہ آئے تو شکوا بھول گئے
آنے کو تو وہ آتے ہیں مگر اس طرح کہ واقف ہم سے نہیں — ملنے کو تو وہ ملتے ہیں مگر اس طرح کہ گویا بھول گئے
کچھ اہلِ وفا کے ساتھ، ترا وہ طرزِ تپاک دل نہ رہا — کچھ راہِ وفا میں اہلِ وفا آدابِ تمنا بھول گئے
تو نے مجھ کو کوئی پیغام دیا تھا اک دن — آج تک دل کی وہ حالت ہے کہ بس کیا کہئے
جا چکے ہم اُن کے در پر بار ہا! — اب اُنھیں تشریف لانا چاہئے
خار سے دامن بچایا بھی تو کیا — پھول سے دامن بچانا چاہئے
لطف آغاز تمنا آپ نے سمجھا دیا — کچھ تو انجام تمنا بھی بتاتے جائیے
عشق کی خاموشی پہ نہ جانا — آہ یہی، فریاد یہی ہے
یوں دل کو انتظار میں بہلا رہے ہیں ہم — جیسے وہ کہہ رہے ہوں کبھی آ رہے ہیں ہم
ترا حُسن بادہ فروش ہے کہ نگاہ بادہ فروش ہے — نہ کبھی کسی کو یہ ہوش تھا، نہ کسی کو آج یہ ہوش ہے
کہتے ہیں کچھ بیان کرو دل کا اضطراب — گویا میں کہہ بھی سکتا ہوں کچھ اضطراب میں
اک اُچٹتی سی نظر اے مستِ ناز — کچھ نہیں اِک وعدۂ مبہم سہی

غزل: اثر لکھنوی

محبت ہی کا نام ہے زندگانی — حقیقت بس اتنی ہے، باقی کہانی
دل آزردگانِ محبت کو پوچھا — بڑی مہربانی، بڑی قدردانی
بایں نامرادی، بایں تلخکامی — ترے غم میں ہے اک عجب شادمانی
محبت سے اتنی بھی بیزاریاں کیا — نہ ٹھہرے کہیں رشک یہ بدگمانی
کہا پھول سے یہ کلی نے چٹک کر — نہ تو جاودانی نہ میں جاودانی،
جو تیرے تبسم میں پائی گئی ہے، — کہاں موجۂ گل میں ایسی روانی
کہا اک قلندر نے، کوئی نہ سمجھا — "ثباتِ نفس تک ہی انساں ہے فانی"

اثر حل نہ ہوتا معمائے ہستی
محبت نہ کرتی اگر ترجمانی

الغرض باہمی اتحاد کی صورت صرف یہ ہے کہ دونوں مذہب و تاریخ سے دستبردار ہو جائیں اور یہ اسی وقت
انسانیت پرست قوت، جبراً و حکماً اس نظام کو فنا کر دے۔

اگر آج دنیا کی تمام عبادتگاہیں، جملہ مذہبی ادا[illegible] (ب۔ پس صابر)

مجھ میں بیجا سے سکون و اضطراب — میں رہا خاموش دل تڑپا کیا
آ گئی صابر تن بے جاں میں جان — چشمِ کافر نے اشارا کیا کیا

زیست ہے ایک رقص بے آرام — موت کیا اک سکونِ بے ہنگام
کھینچ کر میں نے آہِ زیر لبی، — بے بسی پر بھی رکھدیا الزام

کہاں ہیں خستگانِ غم کی آنکھیں دیکھنے والے — کسے لے آؤں یارب جو محبت کی زباں سمجھے

حجاب جلوہ گاہ ناز اُٹھا بھی تو کیا حاصل — نظر حائل رہے گی میرے اُن کے درمیاں برسوں

شوق میں صورتِ تسکیں ہے فقط بے خبری، — حشر برپا ہو جو اندازۂ منزل ہو جائے

ساعتِ غم میں تھا تصور دوست — یہ خزاں کس بہار میں گزری
وہ گھڑی بھی عجیب تھی صابر — جو گھڑی انتظار میں گزری

مرے جہانِ تمنا میں صابر مغموم — غریب دل سے زیادہ کوئی خراب نہیں

مری دیوانگی کی عاقبت اندیشیاں توبہ! — اب اپنے مدعا سے بھی ہوں بیگانہ برسوں سے

کچھ رحم کے قابل بھی، کچھ ظلم کے قابل بھی — اے وائے وہ دل جس میں ظالم تو ارماں ہو

میری آزادی کا نغمہ اول اول جرم تھا — رفتہ رفتہ شاملِ آدابِ زنداں ہو گیا

آئے پھولوں سے سجانے کو وہ میرا پیرہن — چاک کر دینے کے قابل جب گریباں ہو گیا

کسے خبر ہو محبت کے غم اُٹھانے کی — مری نگاہ کو عادت ہے مسکرانے کی

سوال حسن کا کوئی جواب ہو نہ سکا — کہ روبرو دل خانہ خراب ہو نہ سکا
تم اس قدر نہ مٹاتے اگر مٹانا تھا — وہی ہوا نہ کہ بالکل خراب ہو نہ سکا
گناہ عشق کی، تکمیل اے معاذاللہ — بڑے بڑوں سے یہ کارِ ثواب ہو نہ سکا
تھا دل ہی باعث صد انقلاب لے صابر — جب اہل دل نہ رہے انقلاب ہو نہ سکا

غزل : مہر اکبر آبادی

وہ آئیں۔ پر اتنے قریں بھی نہ آئیں — نظر بھی نہ اُٹھے۔ اُٹھانا جو چاہیں

مری بے نیازی کا شکوہ ہے اُن کو — نظر سے نظر تو ذرا وہ ملائیں

ہے خود داریٔ عشق کو کب گوارا — اُنھیں کو مبارک ہوں اُن کی وفائیں

نگاہیں زمانے کی مجھ پر لگی ہیں، — نہ وہ سامنے بے حجابانہ آئیں

نہ چھینیں وہ مجھ سے غمِ جاودانی — نگاہِ کرم کام میں اب نہ لائیں

مجھے فرصتِ یک نظر بھی نہیں ہے — تبسم نہ اپنا وہ اب آزمائیں

جو کہنا تھا حسنِ طلب کہہ چکا سب — یہ اُن کی خوشی اب وہ آئیں نہ آئیں